بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر تدبرِ قرآن کی روشنی میں قرآنی سورتوں کے مرکزی مفاہیم

پیش گفتار

قرآنی سورتوں کے موضوعی اور مقاصدی پہلوؤں پر بیسویں صدی میں خاص طور پر محققینِ قرآن کا کافی کام عرب وعجم میں سامنے آیا ہے۔ عرب دنیا میں **في ظلال القرآن، التحرير والتنوير، الأساس في التفسير، التفسير الموضوعي لسور القرآن الكريم** وغیرہ جب کہ عجمی دنیا، خصوصاً برصغیر میں، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا حسین علی، مولانا طاہر پنج پیری وغیرہم کے طرزِ تفسیر میں اس کے عمدہ نمونے ملتے ہیں، تاہم نظم قرآن کو جس گہرائی اور تنظیم کے ساتھ مولانا حمید الدین فراہی نے پیش کیا، اس علم کی تاریخ میں اس گہرائی کی دوسری مثال موجود نہیں ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی کے پیشِ نظر اپنے نظریۂ نظم کی روشنی میں ایک مستقل تفسیر تفسیر **نظام القرآن وتأويل الفرقان بالفرقان** لکھنے کا ارادہ تھا، لیکن افسوس ہے کہ دیگر بہت سے کاموں کی طرح وہ اپنی نوعیت کی یہ عظیم اور منفرد تفسیر مکمل رقم نہ کر سکے، تاہم اس کے جو اجزا موجود ہیں ان سے ان کی اس میدان میں عبقریت کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح قرآنِ کریم کے اس سچے طالب علم نے تفسیر نویسی کے اس اعلیٰ معیار کی بنیاد ڈالی جس کی سطح قدما کے ہاں ملتی ہے۔ اس میں مختلف تفسیروں کو سامنے رکھ کر موجودہ دور کے بہت سے مصنفین کی طرح تفسیر نویسی کا شوق پورا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ پہلے مدتوں ان بنیادی علوم اور وسائل پر مولانا فراہی نے غیر معمولی محنت کی اور پھر قرآن کے بہ راہِ راست مطالعے کی نیو ڈالی جس سے اس میدان میں گویا ایک نئی بانگِ دراطالبینِ قرآن کو سنائی دی۔ اس تفسیر میں کلام کی وجوہِ تالیف کا جو حسن اور اعجاز نمایاں کیا گیا ہے، وہ ان کی عربی بلاغت پر مجتہدانہ نظر کا پتا دیتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ وہ اس باب میں مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کے بہ قول امام

تھے۔ بعض وجوہ سے ان کے کام میں ایک گہرائی اور تعمق پایا جاتا ہے۔ یہ دعویٰ محض کسی عقیدت مند کا ہوتا تو شاید اس کی علمی لحاظ سے کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی، لیکن جن اہلِ علم نے بھی کسی مسلکی تعصب کے بغیر قرآنی اعجاز کے اس باب کا مطالعہ کیا ہے، انھوں نے اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ چناں چہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، جو اس آخری دور میں قرآنی علوم و تفسیر اور عربی ادب کا ایک یکتا اور منفرد ذوق رکھتے تھے اور قدیم و جدید کی جامعیت کی ایک حیرت انگیز شان رکھتے تھے، مولانا فراہیؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ربطِ آیات کو اس جامع اور عمیق طریقے پر اور ربطِ آیات کو بنیاد بنا کر صرف یہی نہیں کہ آیات باہم مربوط ہیں اور بیچ میں ان کے درمیان کوئی خلیج واقع نہیں ہے یا یہ کہ کسی قسم کا کوئی بعدِ معنوی نہیں بلکہ وہ ربطِ آیات قرآن مجید کے نزول کے مقصد اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہدایت بشری کے عام کلیے، جو اس کا طے کیا ہوا قانون ہے، اس کے ماتحت ہے۔ ربطِ آیات کا اتنا وسیع تخیل اور پھر اس کی تطبیق ایسی جس کی نظیر پچھلے کاموں میں بہت کم ملتی ہے، میں احتیاط کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ نہیں ملتی۔ (۱)

مولانا اصلاحی نے تفسیر **تدبرِ قرآن** میں مولانا فراہی کے کام ہی کو آگے بڑھایا ہے۔ اس تفسیر کی نمایاں خصوصیات میں سے نظمِ قرآن کا اہتمام ہے۔ ویسے تو قرآنی آیات اور سورتوں کے درمیان ربط مناسبت کا اہتمام بہت سے مفسرین کے ہاں ملتا ہے لیکن سورتوں کو بہ حیثیت ایک کل کے لے کر ان کے بہ ظاہر منتشر نظر آنے والے اجزا کو ایک کلی وحدت کی لڑی میں پرونے کا تفسیری رجحان بیسویں صدی میں زیادہ سامنے آیا۔ اس کے مختلف محرکات میں سے ایک محرک مستشرقین کا یہ اعتراض بھی تھا کہ قرآن ایک غیر مربوط کتاب ہے اور اس کے اجزا میں کوئی منطقی مناسبت نہیں ہے۔ چناں چہ اس کتاب کو ایک مربوط کتاب کی شکل میں پیش کرنے اور اس کے نظم میں چھپے اسرار کو نمایاں کرنے کے لیے بہت سے لوگوں نے کام کیا۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اس میدان میں ہمارے علم کی حد تک مولانا فراہی کا کام زیادہ عمیق اور وسیع نوعیت کا ہے۔ انھوں نے نہ صرف نظم کو عملاً برتا، بلکہ اس کے معلوم کرنے کے لیے مستقل اصول وضع کیے جو ان کی کتابوں **التكميل في أصول التأويل** اور **دلائل النظام** میں مذکور ہیں۔ مولانا اصلاحی نے اپنے عظیم استاد کے کام کو آگے بڑھایا اور مولانا فراہیؒ کے تفسیری اصولوں کی روشنی میں اردو زبان میں معروف تفسیر **تدبرِ قرآن**

۱۔ خطبۂ استقبالیہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مشمولہ، **علامہ حمید الدین فراہی: حیات و افکار**، اعظم گڑھ، انجمن طلبۂ قدیم، ۱۹۹۲ء، ص ۲۷۔

تحریر کی جس میں نظریۂ نظم کو عملا برت کر دکھایا گیا ہے۔ ہر انسانی کام کی طرح یقیناً اس کام میں بھی فرو گزاشتیں اور کم زوریاں ہو گی اور ہیں لیکن اس سے اس کام کی اہمیت ختم یا کم نہیں ہو جاتی۔ ہر محقق اپنا کام کر کے اگلی نسلوں کے لیے راستہ فراہم کر جاتا ہے۔

نظریۂ نظم کی وضاحت

مولانا اصلاحیؒ کے نظریۂ نظم پر ہونے والے کاموں میں سب سے بہتر تحقیقی کام ڈاکٹر مستنصر میر کی کتاب *The Coherence in the Qur`an* ہے۔ اس میں بہت عالمانہ انداز میں اس نظریے کے محاسن اور معائب پر گفت گو کی گئی ہے۔ تفصیل کے طالبین کو یہ کتاب ضرور ملاحظہ کرنی چاہیے۔

ظاہری نظم

مولانا اصلاحی نے قرآنی نظم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

ظاہری نظم اور مخفی نظم؛ ظاہری نظم کی رو سے تمام قرآنی سورتیں سات گروپوں میں تقسیم ہیں۔ ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔ ہر گروپ میں پہلے مکی سورتیں ہیں، پھر مدنی سورتیں ہیں۔

پہلا گروپ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے اور مائدہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس گروپ میں فاتحہ مکی ہے، باقی چار مدنی ہیں۔

دوسرا گروپ انعام اور اعراف دو مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور انفال اور توبہ دو مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔

تیسرے گروپ میں پہلے چودہ سورتیں یونس تا مومنون مکی ہیں۔ آخر میں سورۂ نور ہے جو مدنی ہے۔

چوتھا گروپ فرقان سے شروع ہوتا ہے، احزاب پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں آٹھ سورتیں مکی ہیں، آخر میں احزاب مدنی ہے۔

پانچواں گروپ سبا سے شروع ہوتا ہے، حجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں تیرہ سورتیں مکی ہیں اور آخری تین مدنی ہیں۔

چھٹا گروپ ق سے شروع ہو کر تحریم پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں پہلے سات مکی ہیں اور آخری دس مدنی۔

ساتواں گروپ الملک سے شروع ہو کر الناس پر ختم ہوتا ہے۔

مولانا اصلاحی کہتے ہیں کہ پہلے گروپ میں اہلِ کتاب پر اتمامِ حجت اور نئی امت کی تشکیل کے بعد اسے آخری شریعت کی ذمے داری سونپے جانے کا بیان ہے؛ دوسرے گروپ میں عرب امیین پر اتمامِ حجت اور رسول اللہ ﷺ کے مکذبین و متبعین کے لیے اللہ تعالیٰ کے آخری فیصلے کا بیان ہے؛ تیسرے گروپ میں تفصیل سے واضح کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ حق و باطل کی جو کشمکش شروع ہوئی ہے اس کا اختتام رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی حق کے غلبے اور باطل کی شکست کی صورت میں نمودار ہو گا؛ چوتھے گروپ میں رسالت کے عقیدے کا اثبات اور اس پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کا جواب ہے؛ پانچویں گروپ میں توحید کے دلائل اور شرک کی تردید کی گئی ہے؛ چھٹے گروپ میں آخرت کے عقیدے کی تفصیلی وضاحت ہے اور آخری گروپ کا موضوع انذار ہے۔ (اصلاحی، تدبر قرآن، ۱:۲۶-۲۷)

ان میں سے پہلے گروپ کو الگ کر لیجیے تو قرآن میں ان کی ترتیب خاتمہ سے ابتدا کی طرف ہے۔ چناں چہ ساتواں گروپ انذار و بشارت ہی پر مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد چھٹے، پانچویں، چوتھے اور تیسرے گروپ میں انذار و بشارت کے ساتھ تزکیہ اور تطہیر کا مضمون بھی شامل ہو گیا ہے۔ پھر دوسرا اور اس سلسلے کا آخری گروپ ہے جس میں پیغمبر کا انذار اپنے منتہا کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا اتمام حجت اور تزکیہ و تطہیر کے ساتھ اس میں مخاطبین کے آسمانی عدالت کا وہ فیصلہ بھی سامنے آ جاتا ہے جسے ہم قیامت سے پہلے خدا کی آخری دینونت سے تعبیر کرتے ہیں۔

پہلا باب اس لحاظ سے بالکل الگ ہے کہ وہ مشرکین عرب کے بجائے یہود و نصاریٰ سے خاص ہے، لیکن قرآن کی ابتدا اسے دیکھیے تو یہ بھی اتمامِ حجت اور تزکیہ و تطہیر کے بعد سورۂ توبہ میں دینونت کے مضمون سے بالکل اسی طرح مربوط ہوتا ہے، جس طرح اوپر کے ابواب، اگر خاتمے سے ابتدا کی طرف آئیے تو ترتیبِ صعودی سے مربوط ہوئے ہیں۔ لہٰذا دوسرا باب گویا ایک ذروۂ سنام ہے جہاں دونوں طرف سے ایک ہی مضمون، محض اس فرق کے ساتھ کہ مخاطبین تبدیل ہو گئے ہیں، اپنے نقطۂ کمال تک پہنچتا اور ختم ہو جاتا ہے۔[۲]

۲- جاوید احمد غامدی، **البیان**، (لاہور: المورد، ط۷، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۱ و مابعد۔

جس طرح یہ گروپ اپنے اندر موضوعی وحدت رکھتے ہیں، اسی طرح ان گروپوں میں زبان وبلاغت کی نزاکتوں کے اعتبار سے بھی فرق ہے۔ ان گروپوں میں قرآن کی زبان کی جو فنی ساخت ہے، وہ ان مضامین کے لحاظ سے مقتضائے حال کے مطابق ہے۔ جس طرح سید قطب شہیدؒ نے قرآنِ کریم میں مشاہدِ قیامت کا موضوعی اور فنی مطالعہ پیش کیا ہے، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مولانا اصلاحیؒ نے جو سورتوں کے گروپ متعین کیے ہیں، ان میں موضوعی کے ساتھ فنی اور بلاغی پہلوؤں سے پائے جانے والے فروق کو نمایاں کیا جائے۔

گروپوں کی تعداد، بعض سورتوں کے مکی مدنی ہونے اور عمود کے تعین میں مولانا فراہی، مولانا اصلاحی اور جناب جاوید احمد غامدی کا بعض امور میں آپس میں اختلاف ہے۔

مخفی نظم

مخفی نظم کی رو سے قرآن کی ہر سورت ایک موضوعی وحدت رکھتی ہے اور یہ سورتیں آپس میں جوڑوں کا تعلق رکھتی ہیں۔

قرآنی سورت میں نظم

قرآنِ کریم کی سورت میں نظم کے خصائص حسبِ ذیل ہیں:

۱- ہر سورہ کا ایک موضوع ہوتا ہے جو ان تمام اجزا کے لیے ایک رشتۂ وحدت کی حیثیت رکھتا ہے جن سے سورہ کے مضمون کی تالیف ہوتی ہے۔ اسے ہم روح کی طرح سورہ کے پورے وجود میں سرایت کیے ہوئے دیکھتے ہیں۔

۲- اصل مضمون کے ساتھ سورہ میں بالعموم ایک تمہید بھی ہوتی ہے اور خاتمہ بھی۔ سورہ کے مضمون کو ہم بعض سورتوں میں فصول اور پیروں میں اور بعض میں صرف پیروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پیرے مضمون کے وقفوں اور فصول اس کے تغیرات کو نمایاں کرتی ہیں۔ تمہید اور خاتمہ کی آیات بھی اسی طرح اپنے مضمون کے لحاظ سے بعض مقامات پر پیروں میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔

۳- یہ پیرے اور فصول ربطِ آیات کے طریقے پر نہیں، بلکہ تمثیل، تعلیل، تاصیل، تکمیل، سوال، جواب، تفریع، نتیجہ، اعتراض، تنبیہ، تقابل، تشابہ، عود علی البدء، استدراک اور اس طرح کے بعض دوسرے پہلوؤں سے باہم دگر متعلق ہوتے اور سورہ کو ایک مربوط کلام بناتے ہیں۔

۴- سورہ کا مضمون ان پیروں اور فصول میں اپنے تدریجی ارتقا کے ساتھ اپنے اتمام کو پہنچتا ہے، چناں چہ اس کے نتیجے میں وہ ایک منفرد اور متعین صورت حاصل کرتی ہے اور اپنے وجود میں ایسی وحدت بن جاتی ہے جو ہر لحاظ سے مستقل بالذات اور کامل ہوتی ہے۔[۳]

سورتوں کے جوڑوں میں نظم

قرآن کے مخفی نظم کی ایک خصوصیت، مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک، یہ ہے کہ اس کی سورتیں انفرادی طور پر نظم پیش کرنے کے ساتھ ساتھ جوڑوں کی شکل میں نظم کا ایک نیا پہلو پیش کرتی ہیں۔ اس کے مطابق ہر سورت کا ایک زوج یا جوڑا ہے۔ اور ان میں اسی طرح کی مناسبت ہوتی ہے جو زوجین میں ہوتی ہے اور دونوں سورتیں مل کر کسی ایک مضمون کو مکمل کرتی ہیں۔ ڈاکٹر مستنصر میر نے مذکورہ بالا کتاب میں ان پہلوؤں کو بہت خوب صورت انداز میں واضح کیا ہے کہ ان سورتوں میں جو ''تکمیلیت' (Complimentarity) کا تعلق ہوتا ہے، اس کے کیا کیا مظاہر ہوتے ہیں؟ جن سورتوں کو ایک دوسرے کا مثنیٰ قرار دیا گیا ہے ان کے موضوع میں نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ کبھی ایک سورت میں ایک فریق سے بحث ہوتی ہے تو دوسری سورت میں دوسرے فریق سے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرۃ میں یہود پر جب کہ سورۃ آل عمران میں نصاریٰ پر اتمام حجت کر کے منصبِ امامت سے ان کی معزولی کا اعلان کیا گیا ہے (اصلاحی، **تدبرِ قرآن**، ۲:۹-۱۴)۔ کبھی ایک سورت میں ایک حقیقت واضح کی جاتی ہے تو دوسری سورت میں اس کا لازمی نتیجہ سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ چناں چہ سورۃ الأنعام اور سورۃ الأعراف ایک دوسرے کے مثنی ہیں۔ سورۃ الأنعام میں مشرکینِ عرب پر اتمام حجت کیا گیا ہے، جب کہ سورۃ الأعراف انذار کی سورت ہے جس میں مشرکین عرب کو اس عذاب سے خبردار کیا گیا ہے جو رسول کے مکذبین پر دنیا و آخرت میں آتا ہے (نفسِ مصدر، ۳:۲۱۵)۔ کبھی ایک سورت میں تصویر کا ایک پہلو دکھایا جاتا ہے تو اس کے جوڑے میں تصویر کا دوسرا رخ سامنے آجاتا ہے، جیسے سورۃ القیٰمۃ میں قیامت کے ذکر میں انذار کا پہلو غالب ہے تو سورۃ الدھر میں جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے (نفسِ مصدر، ۹:۹۹)۔ اسی طرح کسی سورت میں کسی بات کا اجمالاً ذکر ہوتا ہے تو اس کے جوڑے میں

۳- غامدی، **البیان**، ص ۵۲، ۵۳۔

اس کی تفصیل سامنے رکھ دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ الفرقان میں جن انبیاء علیہم السلام کا اجمالاً ذکر ہے، ان کا تفصیلی ذکر سورۃ الشعراء میں ہے (نفسِ مصدر، ۵:۴۹۵)۔ یا سورۃ یونس میں موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ نسبتاً تفصیل سے اور نوح علیہ السلام کا تذکرہ اجمالاً ہوا ہے تو سورۃ ھود میں اس کے برعکس ہوا ہے (نفسِ مصدر، ۴:۹۷)۔ اسی طرح مثنیٰ سورتوں کے موضوع میں تعلق کی دیگر کئی نوعیتیں بھی انھوں نے ذکر کی ہیں۔[۴]

مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک بعض سورتیں جوڑا ہونے کے قانون سے مستثنیٰ بھی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ الفاتحۃ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن کا دیباچہ ہے، اس لیے باقی پورا قرآن اس کا جوڑا ہے (اصلاحی، **تدبر قرآن**، ۱:۶۹–۷۱)۔ اسی طرح سورۃ النور کے متعلق مولانا اصلاحی کہتے ہیں کہ یہ اپنے گروپ کے آخر میں ضمیمے کی حیثیت رکھتی ہے۔ (نفسِ مصدر، ۵: ۳۵۵)۔ یہی بات وہ سورۃ الأحزاب اور سورۃ الحجرات کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ مولانا اصلاحی سات گروپوں میں سورتوں کی اس تقسیم کو منصوص مانتے ہیں۔ ﴿ وَلَقَدْ ءَاتَيْنَٰكَ سَبْعًا مِّنَ ٱلْمَثَانِى وَٱلْقُرْءَانَ ٱلْعَظِيمَ ﴾ (القرآن ۱۵:۸۷) کی تفسیر میں وہ کہتے ہیں کہ مثانی مثنیٰ کی جمع ہے جو دہرائی جانے والی چیز کو نہیں کہتے، بلکہ اس کا مفہوم ہے "دو، دو" یا "جوڑا جوڑا"۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں کہ یہاں مراد سورتوں کے سات گروپ ہیں جو دو دو سورتوں کے جوڑوں پر مشتمل ہیں۔ (اصلاحی، نفسِ مصدر، ۴:۳۷۶–۳۷۸)

تاہم قرآنِ کریم سے اس ترتیب کو منصوص بتاتا ایک تکلف اور کم زور تاویل ہے۔ ڈاکٹر مستنصر میر کا اعتراض بالکل بجا ہے کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس سے سات منزلیں کیوں مراد نہیں ہو سکتیں؟ اسی طرح جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو ابھی بہت سا قرآن نازل ہونا باقی تھا۔ اس وقت کے لحاظ سے اس آیت کی کیا توجیہ ہو گی؟ کیا صحابہ کے ہاں بھی اس کی مراد یہی تھی؟

۴- تکمیلیت کی یہ نوعیت جناب مشتاق احمد صاحب کے ایک مضمون "فراہی مکتب فکر اور سیرت نگاری" سے نقل کی گئی ہے جو ادارہ تحقیقات اسلامی کے مجلے **فکر و نظر** (اکتوبر–دسمبر ۲۰۱۴ء) میں شائع ہوا ہے۔ تفصیل کے لیے ڈاکٹر میر کی کتاب دیکھی جا سکتی ہے۔

مولانا حمید الدین فراہیؒ نے خود **نظام القرآن وتأویل الفرقان بالفرقان** کے نام سے قرآن کی تفسیر شروع کی تھی، لیکن وہ اس کی تکمیل نہ کر سکے۔ اس تفسیر کی سورۂ فاتحہ اور بقرہ کا نا تمام حصہ اور پھر قرآن کی آخری سورتوں کی تفسیر شائع ہوئی ہے۔ اس آخری حصے کا ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے **مجموعۂ تفاسیر فراہی** کے نام سے کیا تھا جو دست یاب ہے۔ مولانا فراہیؒ کے کام کو ان کے دو نام ور شاگردوں، مولانا اختر احسن اصلاحیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے آگے بڑھایا۔ اختر احسن نے مدرستہ الاصلاح میں تدریسِ قرآن کے ذریعے اور امین احسن نے قلم کے ذریعے جس کا نتیجہ ان کی شاہ کار تفسیر **تدبرِ قرآن** ہے۔ یہ تفسیر بنیادی طور پر مولانا حمید الدین فراہیؒ کے نظریۂ نظم پر مبنی ہے اور قرآنِ کریم پر غور و فکر کے منہج میں بنیادی تبدیلیوں کی حامل ہے۔ اس پر مختلف پہلوؤں سے نقد و نظر کی گنجائش[۵] کے باوجود انسانی سطح پر تدبرِ قرآن کی ایک اعلا سطح کی فاضلانہ محنت ہے۔ اس میں قرآنِ کریم کی کئی مشکلات کا حل اور ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کا جواب ملتا ہے۔ تصورِ نظم کی تطبیق کا انداز بڑی حد تک بے ساختہ اور بدیہی معلوم ہوتا ہے اور اس میں گہرائی اور عموم و شمول کا وصف غالب ہے۔ یہ مطالعہ قرآنِ کریم پر براہ راست غور کا نتیجہ ہے۔

مولانا اصلاحیؒ کی تفسیر اگرچہ مولانا فراہیؒ کے اصولوں اور طریقِ تدبر کی تطبیق ہے، لیکن ایسا نہیں کہ مولانا اصلاحی نے ایک اندھے مقلد کی طرح استاد کی بات کو اختیار کیا ہو، بلکہ وہ تفسیر میں ان سے اختلاف کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ یہ اختلاف سورتوں کے گروپوں کے تعین (مولانا فراہیؒ کے ہاں نو اور مولانا اصلاحیؒ کے ہاں سات گروپ ہیں)، عمود کی دریافت اور آیات کی تفسیر و تاویل، مختلف پہلوؤں میں نظر آتا ہے، تاہم یہ

۵- مولانا اصلاحیؒ کے نظریۂ نظم کے محاسن اور اس کی علمی قدر و قیمت کے تعین کے ساتھ ڈاکٹر مستنصر میر نے اپنی مذکورِ سابق کتاب میں اس کی کم زوریوں پر بھی گفت گو کی ہے۔ یہ کتاب اس اعتبار سے بہت عمدہ اور متوازن تجزیے پر مشتمل ہے کہ اس میں تحقیق کے آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اسے تعصب اور عقیدتِ بے جا کے درمیان رہتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس تفسیر پر ایک اچھا لیکن نا تمام نقد مولانا جلیل احسن ندویؒ کا **تدبرِ قرآن پر ایک نظر** کے نام سے ہے۔ اس میں مولانا اصلاحی کی تفسیر میں پائے جانے والے بعض تسامحات کی اچھی نشان دہی کی گئی ہے، بعض مقامات پر ان کی ترجیحات پر بحث کی گئی ہے، جب کہ بعض اعتراضات زیادہ وزنی نہیں ہیں۔ عربی زبان و ادب کے نام ور محقق ڈاکٹر خورشید رضوی نے بھی اس پر دو مقالات لکھے ہیں جو تفسیر پر عربیت کے پہلو سے گرفت کرتے ہیں۔ یہ مقالات علی گڑھ سے شائع ہونے والے علمی مجلے **تحقیقاتِ اسلامی** میں شائع ہوئے ہیں۔ بعض اور لوگوں نے بھی تنقید کی ہے، لیکن ان تنقیدات میں عام طور پر گروہی جانب داری کا عنصر غالب ہے اور تفسیر کی خوبیوں کا اعتراف نہیں ملتا۔

درست ہے کہ مولانا اصلاحیؒ کے پیشِ نظر اگر فراہیؒ کا اجمالی کام نہ ہوتا تو شاید اس تفسیر کی اس شکل میں تکمیل ممکن نہ ہوتی۔ چند سال قبل مولانا فراہیؒ کے قرآن پر تفسیری حواشی **تعلیقات** کے نام سے چھپ کر شائع ہوئے ہیں، جن کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحیؒ نے اس مصحف سے بھرپور استفادہ کیا ہے جس پر مولانا فراہیؒ قلم سے نوٹ لکھتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر مستنصر میر کے پیشِ نظر چوں کہ یہ حواشی نہیں تھے (کیوں کہ وہ اس کتاب کی اشاعت کے بہت بعد میں شائع ہوئے) اس لیے انھوں نے کہا ہے کہ سورتوں کے جوڑے ہونے کا تصور مولانا اصلاحیؒ کا ذاتی تصور ہے، لیکن مذکورہ بالا حواشی میں اس کے اشارات بالکل واضح ہیں جہاں مولانا فراہیؒ بعض سورتوں کے جوڑا ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

نظریۂ نظم کی وضاحت کے لیے یہاں اتنا ہی کافی ہے۔ اس تمہید سے مقصود آنے والے صفحات میں قرآنی سورتوں کے خلاصہ جات کے لیے ابتدائی تعارف فراہم کرنا ہے جو بنیادی طور پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی **تدبرِ قرآن** سے ماخوذ ہیں۔ ان کو سب سے پہلے سال ۲۰۱۴ء کے رمضان المبارک میں سوشل میڈیا کے معروف فورم فیس بک پر قسط وار شیئر کیا گیا، جسے قرآنی ذوق رکھنے والوں نے پسند کر کے حوصلہ افزائی کی اور اس کا تقاضا کرتے رہے کہ انھیں یکجا جمع کرنا ضروری ہے تا کہ فائدہ عام ہو جائے۔ اسی جذبے سے ان کو مرتب کر دیا گیا ہے۔ انھیں بار بار پڑھ کر ذہن نشین کر کے کسی سورت کا براہِ راست مطالعہ کیا جائے تو امید ہے یہ عمل قرآن کے پیغام کو سمجھنے اور اسے یاد رکھنے میں کسی حد تک معاون ہو گا۔ کسی کو اگر یہ عمل پسند آئے تو امید ہے وہ کلمۂ دعا کہنے میں بخل نہیں کرے گا۔

سید متین احمد شاہ

اسلام آباد

یکم جون ۲۰۱۵ء

سورتوں کے خلاصہ جات اور مرکزی مضامین

پہلا گروپ

پہلا گروپ الفاتحة تا المآئدة پانچ سورتوں پر مشتمل ہے۔ اس میں میں اہلِ کتاب پر اتمامِ حجت اور نئی امت کی تشکیل کے بعد اسے آخری شریعت کی ذمے داری سونپے جانے کا بیان ہے۔ سورۂ فاتحہ کی حیثیت دیباچۂ قرآن کی ہے۔

۱- سورة الفاتحة

اس سورہ میں پہلے اس جذبۂ شکر کی تعبیر ہے جو اللہ تعالی کی پروردگاری، اس کے بے پایاں رحمت اور اس کائنات کے نظام میں اس کے قانونِ عدل کے مشاہدات سے ایک سلیم الفطرت انسان پر طاری ہوتا ہے یا طاری ہونا چاہیے۔ پھر اس جذبۂ شکر سے خدا ہی کی بندگی اور اسی سے استعانت کا جو جذبہ ابھرتا ہے یا ابھرنا چاہیے، اس کو تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر اس جذبہ کی تحریک سے جو مزید طلب و جستجو ہدایت ور ہنمائی کے لیے پیدا ہوتی ہے یا پیدا ہونی چاہیے، وہ ظاہر کی گئی ہے۔

۲- سورة البقرة

اس سورہ کا مرکزی مضمون دعوتِ ایمان ہے۔ ایمان کی طرف اشارہ تو، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، سورۂ فاتحہ میں بھی ہو چکا ہے، لیکن وہ اجمالی ایمان ہے جو جذبۂ شکر کی تحریک اور اللہ تعالی کی ربوبیت و رحمت کی نشانیوں کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سورہ میں اس اجمال نے تفصیل کا رنگ اختیار کر لیا ہے اس میں نہایت واضح طور پر قرآن مجید اور نبی ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ گویا سورۂ فاتحہ میں ایمان باللہ کا ذکر ہے۔ اور سورۂ بقرہ میں ایمان بالرسالت کا۔

ایمان کی اصلی حقیقت ایمان بالرسالت ہی سے وجود پذیر ہوتی ہے۔ اگر ایمان بالرسالت موجود نہ ہو تو مجرد ایمان باللہ ہماری زندگی کو اللہ کے رنگ میں نہیں رنگ سکتا۔ زندگی پر اللہ کا رنگ اسی وقت چڑھتا ہے جب ایمان باللہ کے ساتھ ساتھ ایمان بالرسالت بھی پایا جائے۔

ایمان بالرسالت پیدا ایمان باللہ ہی سے ہوتا ہے۔ غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ پہلی چیز اس دوسری چیز ہی کا ایک بالکل فطری نتیجہ ہے۔ ایمان باللہ سے بندہ کے اندر خدا کی ہدایت کے لیے ایک پیاس اور ایک تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ یہی پیاس اور تڑپ ہے جس کا اظہار سورۂ فاتحہ میں اھدنا الصراط المستقیم کی دعا سے ہو رہا ہے۔ اسی دعا کے جواب میں یہ سورۂ بقرہ قرآن اور نبی ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دے رہی ہے۔ گویا بندے کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ تعالی کی بندگی کے حق کو تسلیم کر چکنے کے بعد اس کے راستہ کی تلاش ہے تو اس کتاب پر اور اس رسول ﷺ پر ایمان لاؤ جس پر یہ کتاب اتری۔

اس حقیقت کی روشنی میں اگر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ سورۂ فاتحہ اگرچہ بظاہر ایک نہایت چھوٹی سی سورہ ہے، لیکن فی الحقیقت وہ ایک نہایت ہی عظیم الشان سورہ ہے، کیونکہ اس کے تنے سے پہلی ہی شاخ جو پھوٹی ہے وہی اتنی بڑی ہے کہ ہماری ساری زندگی پر حاوی ہو گئی ہے۔ اس سے ہماری اس بات کی تصدیق ہوتی ہے جس کی طرف ہم نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں اشارہ کیا ہے کہ پورا قرآن در حقیقت اسی سورہ فاتحہ کے تخم سے پیدا ہوا ہے اور یہ اسی شجرہ طیبہ کے برگ و بار ہیں جو قرآن کے پورے تیس پاروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

اس سورہ میں اصل خطاب تو یہود سے ہے لیکن ضمناً اس میں جگہ جگہ نبی ﷺ کو، مسلمانوں کو، اور بنی اسمعیل کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔

یہود کو مخاطب کر کے ان کے ان تمام مزعومات وتوہمات کی تردید کی گئی ہے جن کے سبب سے وہ اپنے آپ کو پیدائشی حقدار امامت وسیادت سمجھے بیٹھے تھے اور کسی ایسے نبی پر ایمان لانا اپنی توہین سمجھتے تھے جو ان کے خاندان سے باہر امی عربوں میں پیدا ہوا ہو۔

نبی ﷺ کو مخاطب کر کے جگہ جگہ آپ کو صبر واستقامت کی نصیحت کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جو دعا کی تھی آپ اس دعا کے مظہر ہیں ۔ مخالفین کی تمام حاسدانہ سرگرمیوں کے علی الرغم آپ کی دعوت کامیاب ہو کے رہے گی اور اللہ تعالی آپ کے دین کو غالب کرے گا۔

۳- سورة آل عمران

سورہ کا مرکزی مضمون اور سابق سورہ سے تعلق

مندرجہ ذیل پہلوؤں سے یہ سورہ سابق سورہ (بقرہ) سے نہایت گہرا ربط رکھتی ہے۔

۱۔ ان دونوں کا موضوع ایک ہی ہے یعنی نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رسالت کا اثبات، لوگوں پر عموماً اور اہل کتاب پر خصوصاً۔

۲۔ دونوں میں یکساں شرح وسبط کے ساتھ دین کی اصولی باتوں پر بحث ہوئی ہے۔

۳۔ دونوں کا قرآنی نام بھی ایک ہی ہے، یعنی الٓمٓ۔

۴۔ دونوں شکلاً بھی ایک ہی تنے سے پھوٹی ہوئی دو بڑی بڑی شاخوں کی طرح نظر آتی ہیں۔ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بھی ان کو شمس و قمر سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ دونوں حشر کے دن دو بدلیوں کی صورت میں ظاہر ہوں گی۔ اہل بصیرت سمجھ سکتے ہیں کہ وصف اور تمثیل میں یہ اشتراک بغیر کسی گہری مناسبت کے نہیں ہو سکتا۔

۵۔ دونوں میں زوجین کی سی نسبت ہے۔ ایک میں جو بات مجمل بیان ہوئی ہے، دوسری میں اس کی تفصیل بیان ہو گئی ہے۔ اسی طرح ایک میں جو خلا رہ گیا ہے، دوسری نے اس کو پر کر دیا ہے۔ گویا دونوں مل کر ایک اعلیٰ مقصد کو اس کی مکمل شکل میں نہایت خوب صورتی کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔

ب۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران کے امتیازی پہلو

لیکن اس اشتراک اور یکسانی کے ساتھ ساتھ ان دونوں کی کچھ الگ الگ خصوصیات بھی ہیں جو ان کو ایک دوسری سے ممتاز کرتی ہیں، مثلاً:

بقرہ پر غور کیجیے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ اس زمانے میں نازل ہوئی ہے جب اہل کتاب نے یہ محسوس کر لیا ہے کہ اسلام ایک سچا دین ہے اور یہ آہستہ آہستہ جڑ پکڑ رہا ہے لیکن حسد اور ضد کے باعث وہ اس کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہوئے۔ اس احساس نے ان کو شدید کشمکش میں ڈال دیا ہے۔ وہ جذبات سے مغلوب ہو کر اس کی مخالفت کے لیے تو اٹھ کھڑے ہوئے لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ مخالفت کس عنوان سے

کریں۔ جس کے منہ میں جو آیا اس نے وہ اگلنا شروع کر دیا۔ کسی نے کہا نبوت و رسالت کے لیے تو بنی اسرائیل کا گھرانا مخصوص رہا ہے، اس گھرانے سے باہر کسی کو نبوت کس طرح مل سکتی ہے؟ کسی نے کہا ہدایت کے لیے تو بس تورات کافی ہے اور جب اس کے حامل ہم موجود ہیں تو اب کسی نئی ہدایت کی ضرورت کہاں باقی رہی؟ اسی جھنجھلاہٹ میں بعضوں نے حضرت جبریلؑ تک کو مطعون کر ڈالا کہ یہ فرشتہ شروع سے ہمارا بیری ہے۔ کچھ لوگوں نے یہود و نصاریٰ کا ایک متحدہ محاذ بنا کر مخالفت کا یہ پہلو اختیار کیا کہ آسمانی ہدایت یا تو یہودیت کے اندر ہے یا نصرانیت کے اندر، جس کو ہدایت مطلوب ہو وہ ان میں سے کسی کو اختیار کرے، ان کے سوا آسمانی ہدایت حاصل ہونے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ ایک گروہ نے دھوکا بازی کی روش اختیار کی۔ اس نے مسلمانوں کو یہ اطمینان دلانا چاہا کہ ہم بھی ایمان رکھتے ہیں، مسلمان ایمان کا اجارہ دار تنہا اپنے ہی کو نہ سمجھیں، خدا، آخرت اور اپنے پیغمبر کو تو ہم بھی مانتے ہیں، اس سے کیا فرق پیدا ہوا کہ ہم نئے مدعی نبوت کو نہیں مانتے۔ ان حالات میں یہ سورہ اتری۔ اس میں ایک طرف تو تفصیل کے ساتھ ان تمام اعتراضات کے جواب دیے گئے جو اہل کتاب کی طرف سے اٹھائے گئے، دوسری طرف نبی امی ﷺ کی نبوت و رسالت کی جو اعلیٰ سند خود ان کے صحیفوں میں موجود تھی، اس کو واضح کیا گیا اور تیسری طرف نبی امی کی رسالت سے دین حق کی جو تجدید و تکمیل ہوئی تھی اس کی طرف رہنمائی کی گئی۔ اس طرح یہ سورہ گویا دعوت ایمان و اثباتِ رسالت بھی ہے اور دعوتِ جہاد برائے آزادئ قبلہ و غزوۂ بدر بھی۔

سورۂ آل عمران پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ بقرہ کے کچھ عرصہ بعد اس دور میں نازل ہوئی ہے۔ جب افق پر اسلام کے غلبہ اور اس کی صداقت کے آثار اتنے نمایاں ہو چکے ہیں کہ اہل کتاب کے لیے اس کی علانیہ مخالفت کرنا ممکن نہیں رہا۔ اس صورتِ حال نے اہل کتاب کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن یہ اسلام صرف اس کی زبانوں ہی تک رہا، اس کے دلوں میں نہیں گھسا۔ دوسرے گروہ نے اسلام تو نہیں قبول کیا لیکن اس نے مسلمانوں کے ساتھ مذہب کے معاملے میں ایک سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی۔ اس سمجھوتے کے لیے اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ہر مذہب کے پیروؤں کے لیے ان کا اپنا دین حق ہے اس وجہ سے مسلمان ہم کو

ہماری یہودیت و نصرانیت پر چھوڑ دیں اور ہم مسلمانوں کو ان کے اسلام پر۔ اس طرح دونوں اپنے اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے ایک ہی ملک میں ایک ساتھ امن کی زندگی بسر کر سکیں گے۔[٦]

اس طرح ان دونوں گروہوں کا رویہ اسلام کے ساتھ بدل تو گیا لیکن یہ تبدیلی دل کی تبدیلی کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ سراسر مصلحت پرستی پر مبنی تھی۔ پہلے گروہ نے اسلام کا جو اظہار کیا تو محض مسلمانوں کی متوقع کامیابیوں میں حصہ بٹانے کے لیے۔ دوسرے نے صلح جویانہ پالیسی اختیار کی تو صرف متوقع خطرات سے اپنے کو محفوظ کرنے کے لیے۔

اسی اثناء میں احد کا معرکہ پیش آیا جس میں مسلمانوں ہی کی ایک جماعت کی بے تدبیری سے ان کو ایک عارضی شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس واقعے کا اثر اہل کتاب کے مذکورہ دونوں گروہوں پر یہ ہوا کہ انھوں نے اسلام کے بارے میں اپنی پالیسی پھر تبدیل کر دی۔ جو گروہ محض دنیوی کامیابیوں کے لالچ میں اسلام کی صفوں میں آ گھسا تھا، جب اس نے دیکھا کہ اسلام کی اطاعت کا قلاوہ اتار کر پھر اپنے کفر کی طرف پلٹ گیا۔ دوسرے گروہ نے جب دیکھا کہ اسلام کو زک بھی پہنچائی جا سکتی ہے تو اس نے سوچا کہ ہم نے جو اس کی بڑھتی ہوئی طاقت سے مرعوب ہو کر اس کے ساتھ صلح جویانہ روش اختیار کر لی ہے، یہ غلط ہے، کیوں نہ ہم مخالف طاقتوں کو قوت پہنچا کر یہ کوشش کریں کہ ایک مرتبہ اسلام کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ کے پھینک دیں۔ چنانچہ انھوں نے بھی کھلم کھلا اپنی دشمنی کا اعلان کر دیا۔

اس طرح یہ دونوں ہی گروہ کھلم کھلا اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی راہ پر چل پڑے اور انھوں نے طرح طرح کی چالوں سے مسلمانوں کے ذہنوں پر شبہات و شکوک بھرنے شروع کیے تاکہ جس طرح وہ خود فرقوں اور گروہوں میں بٹ چکے ہیں اسی طرح مسلمان بھی اپنی وحدت و یکجہتی کھو کر پراگندہ ہو جائیں اور ان کی طاقت ختم ہو جائے۔ ان حالات نے تقاضا کیا کہ اہل کتاب اور مسلمان دونوں کے سامنے دین کی یہ حقیقت واضح کی جائے کہ اللہ کی طرف سے لوگوں کو کئی دین نہیں ملے ہیں بلکہ ایک ہی دین ملا ہے جس کا نام اسلام ہے۔ اس دین میں تقسیم

٦- سورہ بقرہ کے شروع میں اس گروہ کی طرف اشارہ ہے لیکن اس وقت تک یہ گروہ پوری طرح سامنے نہیں آیا تھا۔ اس سورت میں یہ بے نقاب ہو کر سامنے آ گیا ہے۔ اس گروہ کا نظریہ بعینہٖ وہی ہے جو آج وحدتِ ادیان کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔

اور تجزیہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اس کے کچھ حصے کو تو مانا جائے اور کچھ کو نہ مانا جائے بلکہ بیک وقت اس کے کل کو ماننا یا کل کو چھوڑنا ہے۔ اس دین کا مطالبہ ہر حالت میں اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کی فرمانبرداری ہے، خواہ حالات نرم ہوں یا سخت اور خواہ راہ ہموار نظر آرہی ہو یا آزمائشوں اور فتنوں نے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہوں، حق بہر حال حق ہے، وہ بعض حالات میں مخفی تو ہو جاتا ہے جس طرح چھلکے کے اندر مغز لیکن معدوم نہیں ہوتا۔ اس طرح کے حالات میں وہی لوگ ثابت قدم رہتے ہیں جن کے ایمان اور علم میں پختگی ہوتی ہے۔ جو حق سے بے خبر ہوتے ہیں ان کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔

غزوہ احد بھی اسی طرح کا ایک امتحان بن کر لوگوں کے سامنے آیا۔ جس طرح غزوہ بدر کی نوعیت ایک فرقان کی تھی جس نے حق اور باطل کو الگ الگ کر دیا اسی طرح غزوہ احد کی حیثیت ایک آیت تشابہ کی تھی جس کے باطن میں حکمت تھی لیکن اس کا ظاہر کمزور لوگوں کے لیے آزمائش بن گیا۔ چنانچہ اس نے پختہ فکر و پختہ ایمان مسلمانوں کو چھانٹ کر ان لوگوں سے بالکل الگ کر دیا جن کے دلوں میں کجی اور دماغوں میں فتنہ جوئی تھی۔

یہ حالات تھے جن میں یہ سورہ اتری چنانچہ اس میں ان تمام خامیوں اور گمراہیوں پر تبصرہ ہے جو اس وقت نمایاں ہوئیں، عام اس سے کہ وہ مسلمانوں سے ظاہر ہوئیں یا اہل کتاب سے۔ اس میں اس شک اور تذبذب کی ضلالت بھی واضح کی گئی ہے جس میں اہل کتاب مبتلا تھے اور اس اختلاف اور عدم اطاعت کے انجام بد پر بھی تبصرہ ہے جس کا اظہار منافقوں اور کمزور قسم کے مسلمانوں کی طرف سے ہوا تھا۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو ان تمام چالوں سے آگاہ کیا گیا ہے جو ان کو زک پہنچانے کے لیے ان کے دشمن چل رہے تھے اور احد کی شکست سے ان کو جو بد دلی ہوئی تھی اس کو نہایت موئثر انداز میں دور کیا گیا۔ اس پہلو سے غور کیجیے تو آپ محسوس کریں گے کہ جس طرح سورۂ بقرہ سورہ بدر ہے اسی طرح یہ سورۂ آلِ عمران سورۂ احد ہے مزید غور کیجیے تو بات بھی واضح ہو گی کہ بقرہ میں ایمان کی حقیقت واضح کی گئی ہے اور اس سورہ میں اسلام کی۔ دوسرے الفاظ میں اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بقرہ میں اللہ کے آخری رسول پر ایمان لانے کی دعوت ہے اور اس سورہ میں اسلامی نظام اور اللہ کی حکومت میں داخل ہونے کی دعوت ہے۔

ان دونوں سورتوں کے موضوع اور عمود سے متعلق یہ ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح کرنی مقصود ہے کہ بقرہ میں ایمان کا پہلو نمایاں ہے اور اس سورہ میں اسلام کا۔ اس حقیقت کی طرف نبی ﷺ

کے عمل سے بھی ہمیں رہنمائی ملتی ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضورؐ نمازوں میں کبھی کبھی ایک رکعت میں بقرہ میں سے آیت ایمان پڑھتے اور دوسری رکعت میں آل عمران میں سے آیت اسلام۔ یہ گویا ایک لطیف اشارہ ہوتا اس بات کی طرف کہ ان دونوں میں موضوع اور مقصود کی حیثیت کن مضامین کو حاصل ہے۔ علاوہ ازیں بقرہ کا خاتمہ ایک ایسی آیت پر ہوا ہے جو ایمان کے باب میں ایک نہایت جامع آیت ہے۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ الایۃ اور پھر اس کا خاتمہ کامل اطاعت الٰہی کے مضمون پر ہوا ہے تاکہ ہم پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ایمان کالازمی ثمرہ اسلام ہے، جہاں صحیح ایمان موجود ہو گا اس سے لازماً اسلام ظہور میں آئے گا۔ اس طرح بقرہ کے خاتمے کی آیت نے آل عمران کے ساتھ اس کے ربط کو خود واضح کر دیا۔

دوسرا پہلو ان دونوں کے درمیان امتیاز کا یہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں زیادہ تر خطاب یہود سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب کی حیثیت سے اصلی مقام انھی کو حاصل تھا۔ نصاریٰ کی حیثیت محض ایک ضمنی فرقے کی تھی۔ چنانچہ قرآن نے بقرہ میں ان سے خطاب کیا بھی ہے تو وہ سرسری نوعیت کا ہے۔ البتہ آلِ عمران میں ان سے براہِ راست خطاب کیا ہے اور بحث کا زیادہ حصہ انھی سے متعلق ہے۔ سورہ کی تمہید بھی ایک جامع نوعیت کی ہے جو یہود و نصاریٰ دونوں کے لیے موزوں ہے۔ پھر اس سے آگے جو مضمون شروع ہوا ہے وہ تدریجی طور پر نصاریٰ کی تردید میں نمایاں ہوتا گیا ہے۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ بقرہ میں استدلال زیادہ تر ایسے امور فطرت سے ہے جو کفار اور اہل کتاب دونوں پر یکساں حجت ہو سکتے ہیں۔ اس کے بر خلاف آلِ عمران میں زیادہ تر استدلال صفات الٰہی یا ایسے مسلمات سے ہے جو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہیں۔

چوتھا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ ان دونوں ہی سورتوں میں اہل کتاب کو سخت توبیخ فرمائی ہے لیکن اندازِ توبیخ دونوں میں الگ الگ ہے۔ بقرہ میں توبیخ براہِ راست ہے بر عکس اس کے آلِ عمران میں ان کو براہِ راست خطاب کرنے کے بجائے پیغمبر ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ان کو یہ یہ تہدیدات پہنچا دو۔ یہ گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت تمام ہو جانے کے بعد یہ لوگ لائق خطاب نہیں رہے۔ اب خطاب کے اہل صرف پیغمبرؐ اور اہل ایمان ہی ہیں۔

ج۔ دونوں سورتوں کی تقدیم و تاخیر کے وجوہ

ان دونوں سورتوں کے موضوع ان کے زمانۂ نزول کی خصوصیات، ان کے اسلوبِ بیان کے امتیازات پر ہم نے یہ جو کچھ عرض کیا ہے اس سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مضامین کے اشتراک کے باوجود ان دونوں میں نسبت اس نوعیت کی ہے کہ مصحف میں تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے ان کی یہی ترتیب ہونی چاہیے تھی جو ہے۔ یہاں بقرہ کے آل عمران پر مقدم رکھنے کے مندرجہ ذیل وجوہ بالکل واضح ہیں۔

ایمان اسلام کی بنیاد ہے۔ جس طرح علم عمل کی بنیاد ہے۔

یہود، نصاریٰ سے اقدم ہیں اس وجہ سے ضروری ہوا کہ پہلے یہود پر حجت تمام کی جائے۔

دلائل فطرت سے استدلال، صفاتِ الٰہی سے استدلال کے مقابل میں زیادہ واضح، زیادہ قدیم، زیادہ وسیع ہے اس وجہ سے قرآن نے پہلے اس کو استعمال کیا۔

علی ہذالقیاس حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام چونکہ انبیاء متقدمین میں سے ہیں اس وجہ سے یہ مناسب ہوا کہ پہلے ان کے عہد و میثاق کا حوالہ دیا جائے اور اس سے استدلال کیا جائے۔ چنانچہ بقرہ میں ان کے عہد کا حوالہ دیا۔ بعد کی سورہ میں دوسرے انبیا کے عہد کا ذکر ہوا۔

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان لوگوں کا خیال صحیح نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ ترتیب میں سورتوں کی تقدیم و تاخیر صرف ان کی ظاہری بڑائی چھوٹائی پر مبنی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا تعلق معانی و مطالب سے ہے۔ معانی کی ترتیب کے لحاظ سے حکمت جس ترتیب کی مقتضی ہوئی ہے وہ ترتیب قرآن میں اختیار فرمائی گئی ہے۔ البتہ اگر کہیں معانی کے اعتبار سے دو سورتیں ایک ہی درجے اور ایک ہی مزاج کی ہوئی ہوں تو ممکن ہے، وہاں مجرد طول و حجم کی بنا پر ایک کو دوسرے پر مقدم کر دیا گیا ہو۔ لیکن یہ بات محض قیاس کی حد تک صحیح قرار دی جاسکتی ہے، ورنہ ایسے مواقع میں بھی گمان یہی ہوتا ہے کہ کوئی گہری معنوی حکمت ایک کو دوسرے پر مقدم کرنے کا باعث ہوئی ہوگی اگرچہ وہ حکمت ہماری سمجھ میں نہ آرہی ہو۔

۴-سورة النساء

یہ سورہ اپنی سابق سورہ... آلِ عمران... کے بعد اس طرح شروع ہو گئی ہے کہ اس کے ابتدائی الفاظ ہی سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ یہ آل عمران کا تکملہ و تتمہ ہے۔ آلِ عمران کی آخری اور نساء کی پہلی آیت پڑھیے تو معلوم ہو گا کہ جس اہم مضمون پر آلِ عمران ختم ہوئی ہے اسی مضمون سے سورۂ نساء کی تمہید استوار ہوئی ہے۔ گویا آلِ

عمران کے خاتمے اور نساء کے آغاز نے ایک حلقہ اتصال کی صورت اختیار کر لی ہے۔ آل عمران کی آخری آیت ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [7] ہے جس میں مسلمانوں کو فوز و فلاح کی راہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ انفرادی و اجتماعی حیثیت سے ثابت قدمی دکھائیں، آپس میں جڑے، دشمن کے مقابل میں ڈٹے اور خدا سے ڈرتے رہیں۔ اب اس سورہ کو دیکھیے تو اسی 'اِتَّقُوا اللهَ' کے مضمون سے شروع ہو گئی ہے۔ (يا أيها الناس اتقوا ربكم) اور آگے آپس میں جڑے رہنے اور مخالفین کے بالمقابل ثابت قدمی کے لیے جو باتیں ضروری ہیں وہ نہایت وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ [8]

ثابت قدمی، بالخصوص اجتماعی ثابت قدمی، بغیر مضبوط جماعتی اتصال کے ممکن نہیں ہے اور جماعتی اتصال کوئی اتفاق سے پیدا ہو جانے والی چیز نہیں ہے بلکہ یہ بنیاد کا بھی محتاج ہے، مثبت تدابیر کا بھی متقاضی ہے اور اس کو ان فتنوں سے محفوظ رکھنے کی بھی ضرورت ہے جو اس کو درہم برہم کر سکتے ہوں۔ چنانچہ اس سورہ میں وہ ساری چیزیں بیان ہوئیں جو اسلامی معاشرہ اور اس کے فطری نتیجہ اسلامی حکومت کو مستحکم رکھنے اور اس کو انتشار سے بچانے کے لیے ضروری ہیں۔

اس سورہ کے مطالب پر ایک سرسری نظر بھی ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ اس کا آغاز اس حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ اس عقیدے پر قائم ہے کہ مرد اور عورت سب کا خالق اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے، اسی نے سب کو ایک آدم و حوا سے وجود بخشا ہے۔ اس وجہ سے خدا اور رحم سب کے درمیان مشترک ہیں۔ اس کے بعد معاشرے کے سب سے زیادہ کمزور عناصر یتیموں اور عورتوں کے حقوق معین فرمائے ہیں اور ان کو ادا کرنے پر زور دیا ہے۔ پھر اسی تعلق سے وراثت کی تقسیم سے متعلق قانون کی وضاحت فرمائی ہے۔ پھر مسلمانوں کے باہمی حقوق و فرائض پر زور دیتے ہوئے اللہ، رسول اور اولوالامر کی اطاعت پر سب کو مجتمع و متفق رہنے کی تاکید فرمائی، اس لیے کہ اسی چیز پر اسلامی حکومت کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد تفصیل کے ساتھ منافقین کی قلعی کھولی ہے جو اسلامی معاشرے کے اندر ناسور کی حیثیت رکھتے تھے اور مسلمانوں کے اندر ان کے دشمنوں... یہود و نصاریٰ... کے

۷- آل عمران: ۲۰۰

۸- سابق اور لاحق سورہ میں ربط کی یہ صورت صرف انہی دو سورتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس کی متعدد نہایت لطیف مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں جو اپنے مواقع پر بیان ہوں گی۔

ایجنٹ کے طور پر کام کر رہے تھے۔ اس روشنی میں غور کیجیے تو اس سورہ میں گویا اس ارتباط باہمی کی بنیادیں استوار کی گئی ہیں جس کی ہدایت پر سابق سورہ ختم ہوئی تھی۔

۵-سورة المائدة

یہ سورہ، جیسا کہ مقدمہ کتاب میں واضح ہو چکا ہے، پہلے گروپ کی آخری سورہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ سے، آخری امت کی حیثیت سے، اپنی آخری اور کامل شریعت پر پوری پابندی کے ساتھ قائم رہنے اور اس کو قائم کرنے کا عہد و پیمان لیا ہے۔ اس سے پہلے یہ عہد و پیمان اہل کتاب سے لیا گیا تھا لیکن وہ، جیسا کہ پچھلی سورتوں سے واضح ہوا، اس کے اہل ثابت نہ ہوئے اس وجہ سے معزول کیے گئے اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دی اور اس کو اپنی آخری اور مکمل شریعت کا حامل اور امین بنایا۔ اب اس سورہ (مائدہ) میں عہد و پیمان لیا جارہا ہے کہ تم پچھلی امتوں کی طرح خدا کی شریعت کے معاملے میں خائن اور غدار نہ بن جانا بلکہ پوری وفاداری اور کامل استواری کے ساتھ اس عہد کو نباہنا، اس پر خود بھی قائم رہنا، دوسروں کو بھی قائم رکھنے کی کوشش کرنا اور اس راہ میں پوری عزیمت و پامردی کے ساتھ تمام آزمائشوں اور تمام خطرات کا مقابلہ کرنا۔

دوسرا گروپ

سورۂ مائدہ پر سورتوں کا پہلا گروپ تمام ہوا۔ اب یہ انعام سے۔ دوسرا گروپ شروع ہو رہا ہے۔ اس میں چار سورتیں ہیں۔ انعام، اعراف، انفال برأت۔ انعام اور اعراف مکی ہیں، انفال اور برأت مدنی۔ انعام و اعراف دونوں میں خطاب اہل مکہ سے ہے۔ انعام میں توحید، معاد اور رسالت کے بنیادی مسائل زیر بحث آئے ہیں اور اصل دینِ ابراہیمؑ کی وضاحت کی گئی ہے۔ بنائے استدلال تمام تر عقل و فطرت اور آفاق و انفس کے شواہد پر ہے یا پھر ان مسلمات پر جن کو اہلِ عرب تسلیم بھی کرتے تھے اور جو صحیح بھی تھے۔

اعراف میں انذار کا پہلو غالب ہے۔ اس میں قریش پر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ کسی قوم کے اندر ایک رسول کی بعثت کے مقتضیات و تضمنات کیا ہوتے ہیں، اس باب میں اللہ تعالی کے قاعدے اور ضابطے کیا ہیں، اگر کوئی قوم اپنے رسول کی تکذیب پر جم جاتی ہے تو اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں، اس معاملے میں تاریخ کی شہادت کیا ہے اور اگر وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی اس روش سے باز نہ آئے تو اسے اپنے لیے کس روزِ بد کا انتظار کرنا چاہیے۔

انفال میں مسلمانوں کو اپنی کمزوریاں دور کر کے اللہ اور رسول کی اطاعت پر مجتمع ہونے اور کفار قریش سے جہاد پر اُبھارا ہے۔ قریش کے متعلق صاف صاف یہ اعلان فرمایا ہے کہ ان کو بیت اللہ پر قابض رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس وراثتِ ابراہیمی کے حق دار مسلمان ہیں نہ کہ قریش۔ مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ تم ان سے مرعوب نہ ہو، اب ان کے لیے ذلّت اور عذاب کا وقت آ چکا ہے۔ اگر یہ اپنی روش سے باز نہ آئے تو منہ کی کھائیں گے اور دنیا و آخرت دونوں میں کوئی بھی ان کو پناہ دینے والا نہیں ہو گا۔

سورۂ برأت میں کھلم کھلا قریش کو الٹی میٹم ہے۔ ان کے لیے صرف دو راہیں کھلی چھوڑی گئی ہیں۔ اسلام یا تلوار۔ مسلمانوں کو ان سے ہر قسم کے روابط قطع کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جو مسلمان رشتہ و قرابت کی بنا پر ان سے درپردہ تعلق رکھتے تھے ان کو سخت سرزنش کی گئی ہے اور ان کے سامنے بھی واضح طور پر دو شکلیں رکھ دی گئی ہیں، یا تو اپنے آپ کو نفاق کی تمام آلائشوں سے پاک کر کے سچے اور پکے مسلمان بن جائیں یا پھر اسی انجام سے دوچار ہونے کے لیے تیار ہو جائیں جو اللہ و رسولؐ کے ان دشمنوں کا ہونے والا ہے۔

اس روشنی میں اگر تدبر کے ساتھ آپ اس گروپ کی تلاوت کریں گے تو معلوم ہو گا کہ ان چاروں سورتوں میں نہایت گہری حکیمانہ ترتیب ہے۔ انعام میں قریش پر اتمام حجت ہے، اعراف میں ان کو انذار ہے، انفال میں مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کی ہدایت اور بیت اللہ کی تولیت سے قریش کی معزولی کا فیصلہ ہے۔ برائت میں قریش کو الٹی میٹم اور منافقین کو آخری تہدید ہے۔

پہلے گروپ میں اصل بحث اہل کتاب سے تھی، قریش سے اگر کہیں خطاب ہوا تھا تو ضمناً۔ برعکس اس کے اس گروپ میں اصل خطاب قریش سے ہے۔ اہل کتاب کا اس میں ذکر آیا ہے تو ضمناً۔ مواد استدلال میں بھی مخاطب کے اختلاف کے لحاظ سے بنیادی فرق ہے۔ اس گروپ میں بیشتر استدلال عقل و فطرت اور آفاق و انفس کے شواہد سے ہے اور پہلے گروپ میں اہل کتاب کے تعلق سے وہ ساری چیزیں استدلال کے طور پر استعمال ہوئی ہیں جن کو اہل کتاب مانتے تھے۔ پہلے گروپ میں اہل کتاب کو امامت کے منصب سے معزول کیا گیا ہے اور ان کی جگہ مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اس گروپ میں قریش کو بیت اللہ کی تولیت سے معزول کیا گیا ہے اور اس کی خدمت امت مسلمہ کے سپرد کی گئی ہے۔

٦-سورة الأنعام

سورۂ انعام میں مخاطب قریش ہیں۔ ان کے سامنے توحید، معاد اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کے دلائل واضح کرتے ہوئے ان کو ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ تنبیہ ہے کہ اگر اُنھوں نے یہ دعوت قبول نہ کی تو اس انجام سے دوچار ہونے کے لیے ان کو تیار رہنا چاہیے جس سے رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں کو دوچار ہونا پڑا۔ اہل عرب چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد تھے اور ان کا دعویٰ یہ تھا کہ جس مذہب پر وہ ہیں یہ ان کو حضرت ابراہیمؑ ہی سے وراثت میں ملا ہے اس وجہ سے اس سورہ میں اس حجت کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے سامنے پیش کی تا کہ قریش پر یہ واضح ہو جائے کہ اصل ملتِ ابراہیمؑ کیا ہے اور اس کے حقیقی پیرو آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ ہیں یا قریش۔

۷-سورۃ الأعراف

سورۂ انعام میں قریش کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ دعوت اس بنیاد پر دی گئی ہے کہ یہی اصل ملت ابراہیمؑ ہے جس کی ابراہیمؑ نے اپنی ذریت کو تلقین کی نہ کہ وہ مجموعۂ بدعات واوہام ہے جو تم لیے بیٹھے ہو۔ اللہ نے تم پر بڑا فضل فرمایا ہے کہ اس نے تمہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جس نے اللہ کی حجت تم پر پوری کر دی ہے اب تمھارے لیے گمراہی پر جمے رہنے کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا ہے۔ اس اتمام حجت کے بعد بھی اگر تم اپنی ضد پر اڑے رہ گئے تو یاد رکھو کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کو خدا نے ہمیشہ تباہ کر دیا ہے۔ یہ تاریخ کی ایک معروف حقیقت ہے جس کی دلیل ڈھونڈنے کے لیے تمھیں کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس ملک میں تم آج بااقتدار ہو خود اسی کی تاریخ میں تمھارے لیے کافی سامان عبرت موجود ہے۔ تم اس سرزمین پر پہلے آنے والے نہیں ہو بلکہ تم سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں جو اسی طرح اقتدار کی مالک ہوئیں جس طرح تم۔ بلکہ بعض اپنے اقتدار و سطوت کے اعتبار سے تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ انہی کے وارث تم ہوئے ہو۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ قدرت کا قانون تمھارے ساتھ اس سے مختلف معاملہ کرے جو اس نے ان کے ساتھ کیا۔ ان کے جرائم کی بنا پر خدا نے ان کو ہلاک کر کے ان جگہ تم کو بخشی، انہی جرائم کے مرتکب تم ہوئے تو خدا تم کو دندناتے پھرنے کے لیے کیوں چھوڑے رکھے گا، خدا کا قانون تو سب کے لیے ایک ہی ہے۔

انعام کے بعد اعراف، انعام کی مثنیٰ سورہ ہے۔ اس میں دعوت کے بجائے انذار کا پہلو غالب ہے۔ اس میں صاف صاف قریش کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر تم نے اپنی روش نہ بدلی تو بس سمجھ لو کہ اب تم خدا کے عذاب کی زد میں ہو۔ اس میں پہلے ان کی فرد قرار داد جرم کی طرف اجمالاً اشارہ کیا، اس کے بعد تفصیل کے ساتھ ان تمام پچھلی قوموں کی تاریخ سنائی جو اس ملک میں اقتدار پر آئیں اور پھر یکے بعد دیگرے اسی جرم میں کیفر کردار کو پہنچیں جس کے مرتکب قریش ہوئے۔ یہ تفصیل گویا انعام کی آخری آیت کے اجمال کی تفصیل ہے۔ اسی کے ساتھ یہود کو بھی لے لیا ہے اور ان کو بھی بالکل آخر تنبیہ فرمائی ہے۔ آخر میں عہد فطرت کو، جو

تمام ذریت آدم سے لیا گیا ہے، بنیاد قرار دے کر انذار کے مضمون کو اس کے آخری نتائج تک پہنچا دیا ہے جس کے بعد برأت، ہجرت اور اعلان جنگ یا نزول عذاب کے مراحل سامنے آجاتے ہیں۔

۸-سورة الأنفال

سورۂ انفال دوسرے گروپ کی تیسری سورہ ہے۔ یہ مدنی ہے۔ اس میں مسلمانوں کو تقویٰ، باہمی اخوت و ہمدردی اور اللہ و رسول کی اطاعت کی اساس پر منظم اور جہاد کے لیے تیار ہونے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ وہ اس ملت ابراہیمیؑ اور مرکز ملت ابراہیمیؑ - بیت اللہ - کی امانت و تولیت کے اہل ہو سکیں جو اب قریش کی جگہ ان کی تحویل میں دی جانے والی ہے۔

پچھلی دونوں سورتوں ... انعام اور اعراف ... میں آپ نے دیکھا کہ قریش کو عقائد، اعمال اور اخلاق، ہر پہلو سے اس امانت کے لیے نااہل ثابت کر دیا ہے۔ اب اس سورہ میں مسلمانوں کی تطہیر و تنظیم، ان کی اصلاح اور تزکیہ کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا ہے کہ غزوۂ بدر کے دوران میں بعض کمزور مسلمانوں کی طرف سے جو کمزوریاں، اللہ و رسول کی اطاعت اور ایمان و توکل کے منافی، صادر ہوئی تھیں، ان پر پہلے گرفت فرمائی ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو ان کمزوریوں سے پاک کریں۔ پھر ان غیبی تائیدات کی طرف اشارہ فرمایا جو غزوۂ بدر کے دوران میں ظاہر ہوئیں تاکہ مسلمانوں کا اعتماد اللہ پر مضبوط ہو اور جو لوگ ابھی پوری طرح یکسو نہیں ہوئے ہیں وہ یکسو ہر کر آگے کے مراحل کے تقاضے پورے کرنے کے اہل ہو سکیں۔ پھر مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جہاد پر ابھارا ہے اور یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر انھوں نے کمزوری نہ دکھائی تو جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ حریف کی سازشوں کے سارے تار و پود بکھر جائیں گے۔ بیچ بیچ میں قریش کو بھی تنبیہ فرمائی ہے کہ بدر کے واقعہ میں تمہارے لیے بڑا سبق ہے، تمہارے لیے اب بہتر یہی ہے کہ اس سے فائدہ اٹھاؤ ورنہ یاد رکھو کہ اگر تم نے مزید کوئی شرارت کی تو پھر منہ کی کھاؤ گے، اب تک تمہارے ساتھ جو رعایت ہوئی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ رسولؐ تمہارے اندر موجود تھا۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تک رسولؐ قوم کے اندر موجود رہتا ہے اس وقت تک قوم پر عذاب نہیں آتا لیکن اب جب کہ رسول تمہارے اندر سے ہجرت کر چکا ہے، تمہاری امان اٹھ چکی ہے اور تم ہر وقت عذاب الٰہی کی زد میں ہو۔ تمہارا یہ غرہ بالکل بے جا ہے کہ تم بیت اللہ کے متولی اور مجاور ہو، بیت اللہ کے متولی ہونے کے اہل تم نہیں ہو، تم نے ابراہیمؑ کے بنائے ہوئے اس گھر کا مقصد بالکل برباد کر کے رکھ دیا اور اس کی حرمت کو بٹہ لگایا، تم جس نماز اور عبادت کے مدعی ہو یہ نماز عبادت نہیں بلکہ محض مذاق ہے، تمہارے لیے سلامتی کی راہ یہ ہے کہ تم توبہ اور اصلاح کی روش اختیار

کردو ورنہ یاد رکھو کہ اب اس حرم کی سرزمین پر نہ اہل ایمان پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کا کوئی موقع باقی چھوڑا جائے گا اور نہ اللہ کے دین کے سوا یہاں کوئی اور دین باقی رہنے دیا جائے گا۔

آگے بدر کے واقعات ہی کی روشنی میں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور کفار کو تنبیہ کرتے ہوئے بات ان اعتراضات کے جواب تک پہنچ گئی ہے جو قریش نے بدر میں شکست کھانے کے بعد لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے بدگمان کرنے کے لیے اٹھائے۔ بدر سے پہلے تک تو وہ مسلمانوں کی کمزوری و مجبوری کو اسلام کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے لیکن بدر میں انہی کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں جب پٹ گئے تو یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر کس طرح ہو سکتے ہیں، بھلا پیغمبر کا کہیں یہ کام ہوتا ہے کہ اپنی ہی قوم کو باہم لڑا دے۔ اپنے ہی بھائیوں کو قتل کرائے، پھر ان کو قید کرے، ان سے فدیہ وصول کرے اور ان کا مال و اسباب غنیمت بنا کر کھائے اور کھلائے؟ اس اعتراض سے بھی کمزور قسم کے لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہو سکتے تھے اس وجہ سے قرآن نے ان کو بھی صاف کیا اور آخر میں انصار اور مہاجرین کو باہمی اخوت کی تعلیم و تلقین فرمائی کہ دونوں مل کر کفر کے مقابلہ میں بنیان مرصوص بن کر کھڑے ہوں۔

۹-سورة التوبة

یہ سورہ سورتوں کے دوسرے گروپ کی آخری سورہ ہے۔ اس میں اور انفال میں بالکل اسی نوع کا تعلق ہے جس نوع کا تعلق متن اور شرح یا تمہید اور اصل مقصد میں ہوتا ہے۔ سورۂ انفال میں مسلمانوں کو جس جہاد کے لیے ظاہراً و باطناً منظم کیا گیا ہے اس سورہ میں اس کا اعلان فرمادیا۔ مصحف کی ترتیب میں اس سورہ پر بسم اللہ نہیں لکھی ہوئی ہے اور روایات سے ثابت ہے کہ یہ بات نبی ﷺ کے زمانے ہی سے چلی آرہی ہے جس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اس پر بسم اللہ کا نہ لکھا جانا ایمائے الٰہی سے ہوا ہے۔ علمائے تفسیر نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ سب سے زیادہ قابل قبول توجیہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں عمود و مضمون کے لحاظ سے نہایت گہرا اتصال بھی ہے اور مقصد و غایت کے اعتبار سے فی الجملہ انفصال بھی۔ ایک کا رخ بالکلیہ مسلمانوں کی طرف ہے اور دوسری کا رخ اصلاً مشرکین، اہل کتاب اور منافقین کی طرف۔ ایک کی نوعیت تیاری کی ہے اور دوسری کی، جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں، الٹی میٹم اور اعلان جنگ کی۔ اشتراک و انفصال کے ان دونوں پہلوؤں کو ممیز کرنے کے لیے حکمت الٰہی مقتضی ہوئی کہ یہ سورہ سابق سورہ سے بالکل الگ بھی نہ ہو لیکن فی الجملہ نمایاں اور ممتاز بھی رہے۔ بسم اللہ نہ لکھے جانے سے یہ دونوں پہلو بیک وقت نمایاں ہوگئے۔ بسم اللہ، جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں، دو سورتوں کے درمیان علامت فصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس علامت فصل کے نہ ہونے سے دونوں کا معنوی اتصال نمایاں ہوگیا اور ساتھ ہی اس کے علیحدہ وجود نے اس کو علیحدہ نام دے دیا جس سے اس کی امتیازی خصوصیت بھی سامنے آگئی۔

تیسرا گروپ

سورۂ توبہ پر سورتوں کا دوسرا گروپ تمام ہوا۔ اب سورۂ یونس سے تیسرا گروپ شروع ہو رہا ہے جو سورۂ نور پر ختم ہوا ہے۔ اس میں ۱۴ سورتیں... یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر، نحل، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیائ، حج اور مومنون مکی ہیں، آخر میں صرف سورۂ نور مدنی ہے۔ سورتوں کے جوڑے جوڑے ہونے کا اصول، جس طرح پچھلے دونوں گروپوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا اسی طرح اس گروپ میں بھی ملحوظ ہے۔ گروپ کی پندرھویں سورہ... سورۂ نور... بظاہر الگ نظر آتی ہے لیکن اس کی حیثیت، سورۂ مومنون کے تکملہ اور تتمہ کی ہے۔ سورۂ مومنون میں اہل ایمان کو دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح کی جو بشارت دی گئی ہے وہ اس خاص اخلاق و کردار کے ساتھ مشروط ہے جو ایمان کا لازمی مقتضیٰ ہے۔ سورۂ نور میں اخلاق و کردار کو مزید واضح فرمایا گیا ہے جس سے 'خبیثون' اور 'خبیثات' کے کافرانہ معاشرہ کے مقابل میں 'طیبون' اور 'طیبات' کا مومنانہ معاشرہ پوری آب و تاب کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آگیا ہے اور اس معاشرہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے وہ بھی اس نہایت واضح اور قطعی الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

﴿ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مِنكُمۡ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ كَمَا ٱسۡتَخۡلَفَ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِينَهُمُ ٱلَّذِي ٱرۡتَضَىٰ لَهُمۡ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ أَمۡنٗاۚ ﴾ (۹)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیا ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلافت بخشے گا جس طرح اس نے ان لوگوں کو خلافت بخشی جو ان سے پہلے گزرے اور ان کے اس دین کو ان کے لیے مستحکم کرے گا جس کو اس نے پسند فرمایا اور ان کی اس خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا۔

اس گروپ کی سورتوں میں سے سورۂ حج کو بعض لوگوں نے مدنی قرار دیا ہے لیکن یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ گروپ کی آخری سورتیں چونکہ ہجرت کے بالکل قریب زمانے کی ہیں اس وجہ سے ان میں کہیں کہیں مدنی دور کی جھلک آگئی ہے۔ لیکن یہ سورتیں اپنے مزاج اور مطالب کے اعتبار سے سب مکی ہیں۔ سورۂ حج کی بعض آیتیں مدنی دور سے تعلق رکھنے والی ضرور ہیں لیکن سورہ بحیثیت مجموعی، جیسا کہ ہم اس کی تفسیر میں واضح کریں گے، مکی ہے۔ کسی مکی سورہ میں مدنی دور کی بعض آیتیں بطور توضیح یا تکمیل آجانے سے پوری سورہ پر مدنی

۹- النور: ۵۵

ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ایسی سورتیں قرآن میں بہت ہیں جن میں مدنی دور کی آیات شامل ہیں لیکن یہ سورتیں اپنے بنیادی مطالب اور اپنے مزاج کے اعتبار سے مکی ہی قرار دی گئی ہیں۔

ان تمام سورتوں میں قدر مشترک: اس پورے گروپ کی تلاوت بار بار تدبر کے ساتھ کیجیے تو آپ نہایت واضح طور پر محسوس کریں گے کہ گروپ کی تمام سورتوں میں مشترک حقیقت، جو مختلف اسلوبوں اور پہلوؤں سے واضح فرمائی گئی ہے، یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کی دعوت سے حق و باطل کے درمیان جو کشمکش برپا ہو چکی ہے وہ بالآخر پیغمبرؐ اور اہل ایمان کی کامیابی و فتح مندی اور قریش کی ذلت و ہزیمت پر منتہی ہو گی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ اس میں قریش کے لیے انذار اور پیغمبر ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے لیے بشارت ہے۔ قریش پر عقل و فطرت اور آفاق و انفس کے دلائل اور تاریخ و نظام کائنات کے شواہد سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جو حق تمھارے پاس آ چکا ہے۔ اگر اس کی مخالفت میں تمھاری یہی روش قائم رہی تو بہت جلد وہ وقت آ رہا ہے جب تم اس کا انجام بد اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ دنیا میں تم سے پہلے جن قوموں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی ہے جو حشر ان کا ہوا ہے اور جن کے عبرت انگیز آثار تمھارے اپنے ملک میں موجود ہیں، وہی حشر تمھارا بھی ہونا ہے۔

اسی طرح نبی ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو صبر و استقامت اور تقویٰ کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ جس حق کو لے کر تم اٹھے ہو انجام کار کی کامیابی اور فیروز مندی اسی کا حصہ ہے۔ آفاق و انفس اور تاریخ اقوام و ملل کے دلائل و شواہد سب تمھارے ہی حق میں ہیں۔ البتہ سنت الٰہی یہ ہے کہ حق کو غلبہ اور کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے لیے آزمائش کے مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان مرحلوں سے لازماً تمھیں بھی گزرنا ہے۔ اگر یہ مرحلے تم نے عزیمت و استقامت کے ساتھ طے کر لیے تو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی تمھارا ہی حصہ ہے۔ ﴿ يُثَبِّتُ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِٱلۡقَوۡلِ ٱلثَّابِتِ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِۖ وَيُضِلُّ ٱللَّهُ ٱلظَّٰلِمِينَۚ ﴾ (۱۰)

۱۰- ابراھیم: ۲۷

۱۰-سورۃ یونس

اس سورہ کا عمود نہایت جامع الفاظ میں اس کی دوسری ہی آیت سے واضح ہو رہا ہے۔ فرمایا ہے: ﴿ أَنۡ أَنذِرِ ٱلنَّاسَ وَبَشِّرِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِندَ رَبِّهِمۡۗ قَالَ ٱلۡكَٰفِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَٰحِرٞ مُّبِينٌ ﴾ [۱۱]

کہ لوگوں کو آگاہ کر دو اور اہل ایمان کو بشارت پہنچا دو کہ ان کے رب کے پاس ان کے لیے بڑی پایگاہ ہے کافروں نے کہا یہ تو کھلا ہوا جادوگر ہے۔

سورۂ ہود میں اسی حقیقت کو یوں واضح فرمایا ہے: ﴿ فَٱصۡبِرۡۖ إِنَّ ٱلۡعَٰقِبَةَ لِلۡمُتَّقِينَ ﴾ [۱۲] پس ثابت قدم رہو۔ انجام کار کی کامیابی متقین ہی کے لیے ہے۔

سورۂ یوسف میں ارشاد ہے: ﴿ إِنَّهُۥ مَن يَتَّقِ وَيَصۡبِرۡ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجۡرَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴾ [۱۳] بے شک جو تقویٰ اختیار کریں گے اور ثابت قدم رہیں گے تو اللہ ایسے خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔

سورۂ رعد میں اس صبر و تقویٰ کی کسی قدر تفصیل بھی آگئی ہے: ﴿ وَٱلَّذِينَ صَبَرُواْ ٱبۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِمۡ وَأَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُواْ مِمَّا رَزَقۡنَٰهُمۡ سِرّٗا وَعَلَانِيَةٗ وَيَدۡرَءُونَ بِٱلۡحَسَنَةِ ٱلسَّيِّئَةَ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ عُقۡبَى ٱلدَّارِ ﴾ [۱۴] اور جو لوگ اپنے رب کی رضاجوئی میں جمے رہے اور نماز کا اہتمام کیا اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق بخشا اس میں سے چھپے اور کھلے خرچ کیا اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے رہے وہی لوگ ہیں جن کے لیے دار آخرت کی کامیابی ہے۔

۱۱-یونس:۲

۱۲-ہود:۴۹

۱۳-یوسف:۹۰

۱۴-الرعد:۲۲

سورۂ ابراہیم میں اس کلمہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں اہل ایمان کے ثبات قدم کا ضامن ہے: ﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ﴾[15] اللہ اہل ایمان کو دنیا اور آخرت میں قول محکم کی بدولت ثبات قدم بخشے گا اور ظالموں کو نامراد کر دے گا۔

سورۂ نحل میں ہے: ﴿ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴾[16] (جن لوگوں نے خوب کاری اختیار کی ان کے لیے اس دنیا میں بھی اچھا صلہ ہے اور آخرت کا گھر اس سے کہیں بہتر ہے اور کیا ہی اچھا ہے متقین کا گھر۔)

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ سیدھی راہ قرآن کی بتائی ہوئی راہ ہے اور جن لوگوں نے یہ راہ اختیار کر لی ہے دنیا اور آخرت کی فلاح کی بشارت انہی کے لیے ہے: ﴿ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا . وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴾[17] (بے شک یہ قرآن اس رستہ کی طرف رہنمائی کر رہا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ان مومنین کو جو نیک عمل کر رہے ہیں ایک اجر عظیم کی بشارت دے رہا ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔)

سورۂ انبیاء میں ہے: ﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴾[18] (اور ہم نے زبور میں یاددہانی کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔)

۱۵- إبراهيم:۲۷

۱۶-النحل:۳۰

۱۷-الإسراء:۹-۱۰

۱۸- الأنبياء:۱۰۵

گروپ کی آخری سورہ... سورۂ نور... میں یہ بشارت واضح سے واضح تر ہو گئی ہے: ﴿ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنكُمْ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ كَمَا ٱسْتَخْلَفَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ ٱلَّذِى ٱرْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ ﴾[19]

(تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان لوگوں کو خلافت عطا فرمائی جو ان سے پہلے گزرے اور ان کے اس دین کو مستحکم کرے گا جس کو ان کے لیے پسند فرمایا اور ان کی اس خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا۔)

ان آیات کو نقل کرنے سے مقصود سورۂ یونس اور اس گروپ کی دوسری سورتوں کے عام مزاج سے فی الجملہ قارئین کو آشنا کر دینا ہے۔ ہر سورہ کا عمود اور بحث و استدلال میں اس کا صحیح رخ مطالب کے تجزیہ سے سامنے آئے گا۔

۱۹-النور:۵۵

۱۱- سورة هود

سورہ کا عمود (مرکزی مضمون) اور سابق سورہ سے تعلق

اس پورے گروپ کے عمود اور اس کے مطالب پر ایک جامع تبصرہ ہم سورہ یونس کی تمہید میں پیش کر چکے ہیں۔ یہ سورہ چونکہ ہمارے اصول سے سورۂ یونس ہی کا مثنیٰ (جوڑا) ہے اس وجہ سے نفسِ عمود میں دونوں کے درمیان کچھ ایسا فرق نہیں ہے، البتہ اجمال و تفصیل اور بحث و استدلال کے اعتبار سے دونوں کا نہج الگ الگ ہے۔ سورۂ یونس میں جو باتیں بالاجمال بیان ہوئی تھیں، مثلاً پچھلی قوموں کی سرگزشتیں ... وہ اس سورہ میں تفصیل سے بیان ہوئی ہیں اور اس حقیقت کی طرف اس کی پہلی ہی آیت نے اشارہ بھی کر دیا ہے۔ ' كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ' (یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں، پھر خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی)۔ ان دونوں کا قرآن نام بھی ایک ہی یعنی 'الرٰ' ہے اور یہ بات ہم اس کے محل میں واضح کر چکے ہیں کہ سورتوں کے نام میں اشتراک ان کے مطالب کے اشتراک پر دلیل ہے۔

۱۲-سورة یوسف

سورتوں کا یہ گروپ سورۂ یونس سے شروع ہوا ہے۔ ہم اس پورے گروپ کے عمود پر، سورۂ یونس کی تفسیر کی تمہید میں ایک جامع تبصرہ کر چکے ہیں۔ یہاں ہم اس کا ضروری حصہ نقل کیے دیتے ہیں تاکہ ذہن میں بات تازہ ہو جائے ہم نے لکھا ہے:

"اس پورے گروپ کی تلاوت، تدبر کے ساتھ بار بار کیجیے تو آپ نہایت واضح طور پر محسوس کریں گے کہ گروپ کی تمام سورتوں میں مشترک حقیقت، جو مختلف پہلوؤں اور اسلوبوں سے واضح فرمائی گئی ہے، یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کی دعوت سے حق وباطل کے درمیان جو کشمکش برپا ہو چکی ہے وہ بالآخر پیغمبرؑ اور اس پر ایمان لانے والوں کی کامیابی و فتح مندی اور قریش کی ذلت و ہزیمت پر منتہی ہو گی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ اس میں قریش کے لیے انذار اور پیغمبر ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے لیے بشارت ہے۔ قریش پر عقل و فطرت اور آفاق و انفس کے دلائل اور تاریخ و نظام کائنات کے شواہد سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جو حق تمہارے پاس آچکا ہے۔ اس کی مخالفت میں اگر تمہاری یہی روش قائم رہی تو بہت جلد وہ وقت آرہا ہے جب تم اس کا انجام بد اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔"

"اسی طرح نبی ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو صبر، استقامت اور تقویٰ کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ جس حق کو لے کر تم اٹھے ہو انجام کار کی کامیابی و فیروز مندی اسی کا حصہ ہے۔ البتہ سنت الٰہی یہ ہے کہ حق کو غلبہ اور کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے لیے آزمائش کے مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان مرحلوں سے لازماً تمہیں بھی گزرنا ہے۔ اگر یہ مرحلے تم نے عزیمت و استقامت کے ساتھ طے کر لیے تو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی تمہارا ہی حصہ ہے۔ ﴿ يُثَبِّتُ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِٱلْقَوْلِ ٱلثَّابِتِ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ ٱللَّهُ ٱلظَّـٰلِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ ٱللَّهُ مَا يَشَآءُ ﴾[۲۰]

اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے سورۂ یونس اور سورۂ ہود دونوں میں، جیسا کہ آپ نے دیکھا، حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کی سرگزشتیں تفصیل سے سنائی گئی ہیں اور سورۂ ہود کے آخر میں آنحضرت

۲۰-ابراھیم:۲۷

صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ان سر گزشتوں کے سنانے کا یہ مقصد بیان فرمایا گیا ہے: ﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِى هَٰذِهِ ٱلْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ . وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ٱعْمَلُوا۟ عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَٰمِلُونَ . وَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنَّا مُنتَظِرُونَ . ﴾[21] (اور ہم رسولوں کی سر گزشتوں میں سے تمھیں وہ سب سنا رہے ہیں جس سے تمھارے دل کو مضبوط اور ان میں تمھارے لیے بھی حق واضح ہوا ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے بھی ان میں موعظت اور یاددہانی ہے اور جو ایمان نہیں لا رہے ہیں ان سے کہہ دو کہ تم اپنی جگہ پر کام کرو، ہم اپنی جگہ پر کام کر رہے ہیں اور تم بھی انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہی ہیں۔)

۲۱- ھود: ۱۲۰-۱۲۳

۱۴-سورۃ الرعد

یہ سورہ سورۂ یوسفؑ کے توام اور اس کے جوڑے کی حیثیت رکھتی ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ قرآن کے نزول نے حق و باطل کے درمیان جو کشمکش برپا کر دی تھی، انجام کار کی کامیابی اس میں جس گروہ کو حاصل ہونے والی تھی اس کو اس میں نمایاں فرمایا ہے۔ یہی حقیقت سورۂ یوسف میں بھی واضح کی گئی ہے، البتہ دونوں سورتوں میں طریق استدلال الگ الگ ہے۔ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف کی زندگی کے حالات و واقعات سے اس حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے اور اس سورہ میں عقل و فطرت کے دلائل سے۔ آیات ۱۷-۲۲ سے اس سورہ کے عمود پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۵-سورة إبراهيم

سورۂ رعد کی آیات 'اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصها مِنْ أَطْرَافها' میں قریش کو جو دھمکی اور مسلمانوں کو جو بشارت، اشارہ اور کنایہ کے انداز میں، دی گئی تھی اس سورہ میں وہ کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ قریش پر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ آج مکہ کی سرزمین پر حق و باطل میں جو کشمکش برپا ہے اس میں تم جس کلمۂ باطل کے علمبردار ہو اس کی کوئی بنیاد نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں۔ اس کی مثال گھورے پر اگے ہوئے ایک شجرہ خبیثہ کی ہے جو بیک جنبش اکھاڑ کر پھینکا جا سکتا ہے۔ اگر یہ اب تک برقرار رہا تو اس وجہ سے نہیں کہ وہ کوئی مضبوط جڑ رکھتا تھا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس کو اکھاڑنے والے ہاتھ موجود نہیں تھے۔ اب اللہ نے وہ ہاتھ نمودار کر دیے ہیں تو تم دیکھو گے کہ کتنی جلدی اس کا قصہ پاک ہوا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل اسلام کی دعوت کی تمثیل اس سدابہار شجرۂ طیبہ سے دی گئی ہے جس کی جڑیں پاتال میں اتری ہوئی اور جس کی شاخیں فضائے آسمانی میں پھیلی ہوئی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا میں بھی مضبوط و مستحکم کرے گا اور آخرت میں بھی ان کو سرخروئی بخشے گا بشرطیکہ وہ صبر و استقامت کے ساتھ اپنی دعوت حق پر جمے رہے اور اس راہ میں پیش آنے والی آزمائشوں کا انھوں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے مقابلہ کیا۔ اس حقیقت کو تاریخ کی روشنی میں واضح کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاءؑ کی سرگزشتوں کے ان پہلوؤں کی طرف اس میں اشارات ہیں جن سے اصل مدعا کی تائید ہوتی ہے۔ آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت کا حوالہ دے کر یہ واضح فرمایا ہے کہ وہ کس مقصد کے لیے اپنے وطن سے ہجرت کر کے اس وادیٔ غیر ذی زرع میں آئے تھے، اس سرزمین کے لیے انھوں نے کیا دعا کی، اس میں اپنی اولاد کو بساتے ہوئے ان کے دل میں کیا ارمان تھے اور انھوں نے اپنے رب سے ان کے لیے کیا چاہا اور کیا مانگا تھا۔ یہ باتیں سنانے سے مقصود قریش کے سامنے ان کی اپنی تاریخ کا آئینہ رکھ دینا ہے تاکہ وہ اندازہ کر سکیں کہ ان کو کیا بننا تھا اور وہ کیا بن کے رہ گئے ہیں۔

۱۶-سورۃ الحجر

پچھلی سورہ کے آخر میں کفار کے لیے جو تہدید و وعید اور آنحضرت ﷺ کے لیے جو تسکین و تسلی مجمل الفاظ میں وارد ہوئی ہے وہ اس سورہ میں بالکل سامنے آگئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ یہ قرآن بجائے خود ایک واضح حجت ہے۔ اگر یہ لوگ اس کو نہیں مان رہے ہیں، تمہیں خبطی اور دیوانہ کہتے ہیں، مطالبہ کر رہے ہیں کہ ان پر فرشتے اتارے جائیں تب یہ مانیں گے تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے، ہمیشہ سے رسولوں کے جھٹلانے والوں کی یہی روش رہی ہے، اگر ان کے مطالبہ کے مطابق ان کو معجزے دکھا بھی دیے گئے جب بھی یہ ہٹ سے باز آنے والے نہیں ہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑو، وہ وقت آئے گا جب یہ آرزوئیں کریں گے کہ کاش پیغمبرؐ اور قرآن کی دعوت قبول کر کے مومن و مسلم بنے ہوتے۔

۱۷-سورۃ النحل

اس گروپ کی تمام سورتوں کے عمود پر ایک جامع بحث ہم سورۂ یونس کی تفسیر کے شروع میں کر آئے ہیں۔ رسول کی بعثت سے حق و باطل کے درمیان جو کشمکش شروع ہوتی ہے وہ لازماً رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کی فتح اور اس کے جھٹلانے والوں کی ہزیمت پر ختم ہوتی ہے۔ یہی حقیقت ایک نئے اسلوب سے اس سورہ میں بھی واضح کی گئی ہے۔ اس پہلو سے دیکھیے تو اس کی آیت ۳۰ ﴿ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴾ [۲۲] کو عمود کی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی جو لوگ نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے اس دنیا میں بھی فیروزمندی ہے اور آخرت کا گھر تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے ہی اور کیا ہی خوب ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کا گھر۔ یہی بات اس سورہ کی آیات ۴۲-۴۱ میں بھی فرمائی گئی ہے کہ جو لوگ حق کی راہ میں مخالفین حق کے مظالم سہہ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت اختیار کرتے ہیں ہم ان کو دنیا میں بھی اقتدار و تمکن عطا کرتے ہیں اور آخرت کا صلہ تو اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے ہی۔

سابق سورہ (سورۂ حجر) پیغمبر ﷺ کے لیے اس تسلی کے مضمون پر ختم ہوئی تھی کہ آج جو لوگ تمہارے انذار اور تمہاری تنبیہ و تذکیر کا مذاق اڑا رہے ہیں اور تمہاری باتوں کو محض ہوائی باتیں خیال کر رہے ہیں تم ان کے اس استہزاء سے دل شکستہ نہ ہو، تمہاری طرف سے ان متکبروں اور مغروروں سے نپٹنے کے لیے ہم کافی ہیں۔ اس مضمون کے بعد یہ سورہ بغیر کسی تمہید کے ان متکبرین ہی کو خطاب کر کے یوں شروع ہو گئی ہے کہ أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ '، یعنی عذاب کے لیے امر الٰہی صادر ہو چکا ہے تو اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ، اور یہ لوگ اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ جن کو خدا کا شریک بنائے بیٹھے ہیں وہ ان کو خدا کی پکڑ سے بچا لیں گے۔ اللہ اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کا کوئی شریک و سہیم ہو۔

۲۲-النحل:۳۰

۱۸-سورۃ الإسراء

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ، سابق سورہ... سورۂ نحل... کی، جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں، توام سورہ ہے اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے، صرف تفصیل و اجمال کا فرق ہے۔ پچھلی سورہ میں جو باتیں اشارات کی شکل میں ہیں وہ اس سورہ میں نہایت واضح صورت میں آ گئی ہیں۔ مثلاً۔

پچھلی سورہ میں مشرکین مکہ کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کے لیے دعوت اور انذار دونوں ہے لیکن جہاں تک بنی اسرائیل کا تعلق ہے بات صرف اشارات کی شکل میں ہے۔ اس سورہ میں تفصیل کے ساتھ ان کو مخاطب کر کے، ان کی اپنی تاریخ کی روشنی میں، یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ گر تم اس غرے میں مبتلا ہو کہ تم خدا کے محبوب اور چہیتے ہو تو یہ غرہ محض خود فریبی پر مبنی ہے، تمہاری اپنی تاریخ شاہد ہے کہ جب جب تم نے خدا سے بغاوت کی ہے تم پر مار بھی بڑی ہی سخت پڑی ہے۔ خدا کی رحمت کے مستحق تم اسی صورت میں ہوئے ہو جب تم نے توبہ اور اصلاح کی راہ اختیار کی ہے تو اگر اپنی بہبود چاہتے ہو تو اس پیغمبرؐ کی پیروی کرو جو اسی سیدھی راہ کی دعوت دے رہا ہے جو تورات کے ذریعے سے تم پر کھولی گئی تھی۔ ساتھ ہی معراج کے واقعے کی طرف اشارہ کر کے مشرکین مکہ اور بنی اسرائیل دونوں پر یہ حقیقت بھی واضح فرمائی گئی ہے کہ اب مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں کی امانت خائنوں سے چھین کر اس نبیؐ اُمی کے حوالہ کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے تو جس کو اپنی روش بدلنی ہے وہ بدلے ورنہ اپنی ضد اور سرکشی کے نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو جائے۔

قرآن جس فطری اور سیدھے طریقۂ زندگی کی دعوت دے رہا ہے، پچھلی سورہ میں صرف اس کی اساسات کی طرف اجمالی اشارہ تھا۔ اوامر میں عدل، احسان اور قرابت مندوں کے حقوق کی ادائی کا حوالہ تھا اور منہیات میں فحشا، منکر اور بغی کا۔ اس سورہ میں اس کی پوری تفصیل آ گئی ہے۔ اس تفصیل سے تورات کے احکام عشرہ کے ساتھ اس کی مطابقت واضح ہوتی ہے۔ گویا انسانی فطرت اور قدیم آسمانی تعلیم دونوں ہم آہنگ ہیں اس وجہ سے قریش اگر اس سے بغاوت کرتے ہیں تو ان کی بھی شامت ہے اور اگر بنی اسرائیل اس کے خلاف سازشیں کرتے ہیں تو ان پر بھی خدا کی پھٹکار ہے۔

پچھلی سورہ میں ہجرت کا ذکر بھی ہے لیکن اشارے کی شکل میں ہے۔ اس سورہ میں اس کا ذکر نہایت واضح طور پر ہوا ہے اور اس کے لیے جن تیاریوں کی ضرورت ہے ان کی ہدایت پیغمبر ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کو ایسے انداز میں دی گئی ہے جس سے یہ نمایاں ہو رہا ہے کہ اس کا وقت بہت قریب ہے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ سورہ ہجرت کے قریب زمانہ میں نازل ہوئی۔

۱۹-سورۃ الکھف

سورہ کا زمانۂ نزول، عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ کی طرح یہ سورہ بھی آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی ہے جب حق و باطل کی کش مکش اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ قریش اپنے تمام حربوں کے ساتھ قرآن کی دعوت کو مٹا دینے پر تل گئے تھے اور یہود و نصاریٰ نے بھی، جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں، درپردہ قریش کی پیٹھ ٹھونکنی شروع کر دی تھی کہ انہی کے ہاتھوں یہ دعوت اپنے مرکز ہی میں ختم ہو جائے، اس سے نبرد آزما ہونے کے لیے خود انھیں میدان مین نہ اترنا پڑے۔

ان حالات کے تقاضے سے اس سورہ میں چند باتیں خاص طور پر نمایاں ہوئی ہیں۔

۱۔ قریش کو انذار و تنبیہ کہ وہ اپنی دنیوی کامیابیوں کے غرے میں ایک بدیہی حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش نہ کریں۔ اب عذاب الٰہی ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے، اگر وہ اپنی رعونت سے باز نہ آئے تو وہ وقت دور نہیں ہے جب وہ اس عذاب کی زد میں آ جائیں گے۔

۲۔ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے مظلوم صحابہؓ کو صبر و عزیمت کی تلقین۔ آنے والے مراحل یعنی ہجرت وغیرہ کی طرف بعض لطیف اشارات، ان مراحل میں پیغمبر ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو جو غیبی فتوحات حاصل ہونے والی ہیں ان کی بشارت۔

۳۔ جس طرح سابق سورہ... بنی اسرائیل... میں یہود کے چہرے سے نقاب الٹ دی گئی ہے اسی طرح اس سورہ اور اس کے بعد کی سورہ... سورۂ مریم... میں نصاریٰ کے چہرے سے نقاب الٹ دی گئی ہے اور مقصود اس سے قریش کو متنبہ کرنا ہے کہ جن کی اپنی کوئی بنیاد نہیں ہے اگر ان کی شہ پر خدا کی اس نعمت کی ناقدری کرو گے جس سے اس نے تم کو سرفراز کرنا چاہا ہے تو یاد رکھو کہ پرائے شگون پر اپنی ناک کٹوا بیٹھو گے۔

۲۰-سورة مریم

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ، سورۂ کہف کی مثنیٰ یا بالفاظ دیگر اس کی توام سورہ ہے۔ ان دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ وہی مضمون جو سورۂ کہف میں بیان ہوا ہے اس میں بھی بیان ہوا ہے۔ لیکن طریق استدلال اور نہج بیان میں فرق ہے۔ اس میں حضرت آدم، نوح اور ابراہیم علیہم السلام کی نسل میں پیدا ہونے والے انبیائے اولوالعزم کے متعلق یہ بات بتائی گئی ہے کہ ان کی دعوت، توحید کی دعوت تھی۔ انھوں نے نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا لیکن ان کے پیرو شرک میں مبتلا ہوئے اور نماز و زکوٰۃ ضائع کر کے بدعات و شہوات میں پڑ گئے۔ اور اب جب کہ ان کو ان کے اصل دین کی دعوت دی جا رہی ہے تو اس کی مخالفت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ پیغمبر ﷺ کو ان کے مقابل میں صبر و استقامت کی تلقین کی گئی ہے اور انجام کار کی کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔ آخر میں مخالفین کی گمراہی کی اصل علت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ اہل ایمان کے مقابل میں اپنی دنیوی کامیابیوں کو اپنے برحق ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کے برحق ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ خدا کی طرف سے ان کے لیے ڈھیل ہے کہ خدا کی حجت ان پر پوری ہو جائے اور جب وہ پکڑے جائیں تو ان کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔

۲۱-سورة طه

اس سورہ میں نبی ﷺ کو، مخالفین کے مقابل میں، صبر اور انتظار کی تلقین ہے کہ آپ ان کے پیچھے زیادہ پریشان نہ ہوں، اگر وہ آپ کی بات نہیں سنتے تو بہت جلد یہ اپنا انجام خود دیکھ لیں گے۔ اسی مضمون سے سورہ کا آغاز بھی ہوا ہے اور اسی پر اختتام بھی۔ اس صبر کے حصول اور اس کی تربیت کے لیے نماز اور دعا کے اہتمام کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی عجلت و بے صبری کے نقصانات واضح فرمائے گئے ہیں۔ سورہ میں خطاب تمام تر نبی ﷺ سے ہے۔ مخالفین سے اگر کوئی بات کہی بھی گئی ہے تو ان کو خطاب کر کے نہیں بلکہ منہ پھیر کر غائبانہ انداز میں کہی گئی ہے۔

پچھلی سورہ میں متعدد انبیائے عظام کا ذکر آیا ہے۔ اس میں صرف حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ ولادت سے لے کر دعوت و ہجرت تک جتنے اہم موڑ بھی ان کی زندگی میں پیش آئے ہیں سب اس سورہ میں نمایاں کیے گئے ہیں تاکہ وہ نبی ﷺ کے لیے، دعوت کے اس مرحلہ میں بھی اور آگے کے مراحل میں بھی، جس رہنمائی کی ضرورت ہے وہ ایک عملی مثال کی صورت میں آپ کے سامنے رکھ دی جائے۔

۲۲-سورة الأنبياء

یہ سورہ سابق سورہ... سورۂ طٰہٰ... کی مثنیٰ ہے۔ جس مضمون پر سورۂ طٰہٰ ختم ہوئی ہے اسی مضمون سے اس کا آغاز ہوا ہے۔ سابق سورہ کی آخری آیت میں کفار قریش کو یہ تنبیہ ہے کہ اگر تم کوئی نشانئ عذاب ہی دیکھنے پر اڑے ہوئے ہو تو انتظار کرو، اب اس عذاب کے آنے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ اس سورہ کا آغاز، بغیر کسی نئی تمہید کے، بعینہٖ اسی مضمون سے فرمایا کہ ان لوگوں (کفار قریش) کے حساب کی گھڑی بالکل سر پر آچکی ہے لیکن یہ اپنی سرمستیوں میں کھوئے ہیں۔ یہ پیغمبرؐ کی تنبیہات کا مذاق اڑاتے اور اللہ کی آیات کا استہزا کرتے ہیں۔ انھوں نے اس دنیا کو ایک بازیچۂ اطفال سمجھ رکھا ہے جس کو اس کے پیدا کرنے والے نے محض اپنا جی بہلانے کے لیے ایک کھیل تماشا بنایا ہے۔ ان کا سارا اعتماد ان کے خود تراشیدہ معبودوں پر ہے۔ حالانکہ یہ ساری چیزیں محض ان کے وہم کی ایجاد ہیں، انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ سابق سورہ میں صرف حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت کا حوالہ تھا اس میں دوسرے انبیاء عظام علیہم السلام کا بھی حوالہ ہے اور نہایت واضح الفاظ میں غلبۂ حق اور فتح مکہ کے قرب کی پیشین گوئی کی گئی ہے جو کفار قریش کے لیے ایک آخری تنبیہ اور مسلمانوں کے لیے کشمکش حق و باطل کے اس شدید ترین دور میں ایک عظیم بشارت ہے۔

سورہ کے مطالب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سابق سورہ کی طرح یہ سورہ بھی تین بڑے حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے قریش کو ان کی ان بوالفضولیوں پر نہایت واضح الفاظ میں تنبیہ و وعید ہے جو آنحضرت ﷺ کے خلاف نہایت لاابالیانہ انداز میں وہ کر رہے تھے، پھر حضرات انبیاء علیہم السلام کی سرگزشتوں سے ان تمام حقائق کو مبرہن کیا گیا ہے جن کی قرآن کے ذریعہ سے ان کو دعوت دی جارہی تھی، آخر میں اسی مضمون کو، جو شروع میں بیان ہوا ہے بعینہٖ اسی تمہید کے ساتھ از سر نو لے لیا ہے اور نہایت فیصلہ کن انداز میں مخالفین کو اس انجام سے آگاہ کیا ہے جس سے وہ دوچار ہونے والے ہیں۔

۲۳-سورۃ الحج

یہ سورہ مکی دور کی ان آخری سورتوں میں سے ہے جب مسلمانوں نے قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آکر، دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت شروع کر دی تھی اور نبی ﷺ کے لیے بھی ہجرت کا وقت بالکل قریب آچکا تھا۔ اس دور میں قریش کے لیے آخری انذار و تنبیہ کے ساتھ یہ سورہ نازل ہوئی۔ اس میں ان کو خدا کے غضب سے ڈرایا گیا، توحید اور قیامت کی قطعیت نہایت موئثر دلائل کے ساتھ واضح کی گئی اور حضرت ابراہیمؑ کی دعوت اور بیت اللہ کے مقصد تعمیر کی روشنی میں ان پر یہ حقیقت واضح کی گئی کہ اس گھر کی تولیت کے اصل حق دار مشرکین نہیں بلکہ وہ مسلمان ہیں جن کو انھوں نے اسے محروم کرر کھاہے ساور ان کو یہاں سے نکالنے کے لیے ان پر ہر قسم کے ظلم و ستم ڈھارہے ہیں۔ فتح مکہ کی طرف اشارہ تو پچھلی سورہ کی آیت ۴۴ میں بھی گزر چکاہے، اس سورہ میں اس اشارے نے بالکل قطعی فیصلہ کی صورت اختیار کرلی ہے۔ اس میں قریش کو غدار اور غاصب قرار دے کر ان کو اس گھر سے بے دخل کیے جانے کی دھمکی اور مسلمانوں کو بشارت دی گئی کہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے گا اور قریش کو اس سے بے دخل کر کے سان کو اس کا امین و متولی بنائے گا۔

۲۳-سورة المؤمنون

یہ سورہ، سابق سورہ... سورۂ حج... کی توام اور مثنیٰ ہے۔ سورۂ حج جس مضمون پر تمام ہوئی ہے اسی مضمون سے اس کا آغاز ہوا ہے۔ سورۂ حج کے آخر میں مسلمانوں کا فریضۂ منصبی یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول نے دین حق کی گواہی جس طرح تم پر دی ہے اسی طرح اب تمہارا فرض ہے کہ یہ گواہی تم خلق پر دو۔ ساتھ ہی اس منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جن باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے مثلاً اہتمام نماز، ادائیگی زکوۃ اور توکل علی اللہ، ان کی ہدایت فرمائی ہے۔ اب اس سورہ کو پڑھیے تو بعینہٖ اسی مضمون سے اس طرح شروع ہو گئی ہے گویا اسی کا تکملہ و تتمہ ہے۔ سورۂ حج کی آخری اور سورۂ مومنون کی ابتدائی آیات نے ایک حلقۂ اتصال کی صورت اختیار کر لی ہے۔ مضمون کے اعتبار سے بھی دونوں سورتوں میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ صرف اسلوب بیان اور نہج استدلال کا فرق ہے۔ سورۂ حج میں اہل ایمان کو فوز و فلاح کی اور کفار کو ذلت و نامرادی کی جو خبر دی گئی ہے وہ اس سورہ میں پوری طرح آشکارا ہو گئی ہے۔ خاص طور پر اہل ایمان کے لیے بشارت کا مضمون اس میں بالکل کھل کر سامنے آ گیا ہے اور وہ اوصاف بھی وضاحت سے بیان ہو گئے ہیں جن کے ساتھ یہ بشارت مشروط ہے۔ اسی طرح کفار پر بھی یہ حقیقت اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے کہ تمہیں جس ذلت کی خبر دی جا رہی ہے وہ لازماً پیش آ کے رہے گی، آفاق و انفس اور تاریخ کی شہادت یہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو امتحان کا گھر بنایا ہے اس وجہ سے اس میں اہل ایمان کی آزمائش بھی ہوتی ہے اور اہل کفر کو ڈھیل بھی دی جاتی ہے۔ لیکن یہ عارضی وقفے ہیں۔ بالآخر حق ہی کا بول بالا ہو گا اور اہل باطل نامراد ہوں گے۔

۲۴-سورة النور

یہ سورہ اس گروپ کی آخری سورہ ہے... یہ مدنی ہے۔ اس کی حیثیت سابق سورہ... سورۂ مومنون... کے تکملہ اور تتمہ کی ہے اس وجہ سے اس کے ساتھ اس کی کوئی مثنیٰ سورہ نہیں ہے۔ ہم مقدمہ میں ذکر کر چکے ہیں کہ جو سورتیں اپنی سابق سورہ کے تکمہ و تتمہ کی حیثیت رکھتی ہیں وہ گویا سابق سورہ ہی کا جزو ہوتی ہیں اس وجہ سے ان کے ساتھ ان کے کسی جوڑے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی مثالیں آگے بھی آئیں گی۔

یہاں سورۂ مومنون کی آیت ۱۱-۱ پر ایک نظر پھر ڈال لیجیے۔ وہاں بیان ہوا ہے کہ خدا کے ہاں فوز و فلاح ان اہل ایمان کے لیے ہے جن کی نمازوں میں خضوع و خشوع ہے، جو لغویات سے احتراز کرنے والے ہیں، جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے اور اپنے شہوانی جذبات پر پورا قابو رکھتے ہیں، ان سے مغلوب ہو کر خدا کے مقرر کردہ حدود و قیود کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور جو اپنی امانتوں اور اپنے قول و قرار کا پاس و لحاظ رکھنے والے ہیں۔

جب تک مسلمان مکہ میں رہے ایمان کے یہ اثرات اور تقاضے ظاہر ہے کہ ان کی انفرادی زندگیوں ہی میں ابھر سکتے تھے اس لیے کہ مکہ میں ان کی کوئی اجتماعی تنظیم نہیں تھی لیکن ہجرت کے بعد جب مسلمان مدینہ میں مجتمع ہو گئے اور ان کی ایک اجتماعی و سیاسی تنظیم بھی وجود میں آگئی تب وقت آیا کہ اس ایمان کے تقاضے معاشرتی و سیاسی زندگی میں بھی نمایاں ہوں۔ چنانچہ جس رفتار سے حالات ساز گار ہوتے گئے معاشرہ کی اصلاح و تطہیر کے احکام نازل ہوئے اور ایمان کی اس نورانیت کی جگمگاہٹ، جو اب تک صرف افراد تک محدود تھی، ایک پوری ہیئت اجتماعی پر ضو فگن ہوئی۔

سورۂ نور اسی سلسلہ کی ایک سورہ ہے جس میں وقت کے خاص حالات کے مطابق اہل ایمان کو ان احکام و ہدایات سے آگاہ کیا گیا ہے جو ان کے نو تشکیل معاشرے کو ایمان کے تقاضوں سے منور کرنے اور منافیٔ ایمان مفاسد سے محفوظ رکھنے کے لیے ضروری تھے۔

چوتھا گروپ

سورۂ فرقان سے سورتوں کا چوتھا گروپ شروع ہو رہا ہے۔ اس میں آٹھ سورتیں... فرقان، شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، سجدہ... مکی ہیں، آخر میں صرف ایک سورہ... احزاب... مدنی ہے۔ سورتوں کے جوڑے جوڑے ہونے کا اصول دوسرے گروپوں کی طرح اس میں بھی مَرعی ہے۔ البتہ سورۂ احزاب کی حیثیت خلاصۂ بحث یا سورۂ نور کی طرح تکملہ و تتمہ کی ہے۔ اسلامی دعوت کے تمام ادوار... دعوت، ہجرت، جہاد ... اور تمام بنیادی مطالب... توحید، رسالت، معاد... اس میں بھی زیر بحث آئے ہیں البتہ اسلوب، انداز اور مواد استدلال دوسرے گروپوں سے اس میں فی الجملہ مختلف نظر آئے گا۔

اس گروپ کا جامع عمود اثبات رسالت ہے۔ نبی ﷺ کی رسالت اور قرآن کے وحی الٰہی ہونے کے خلاف قریش اور ان کے حلیفوں نے جتنے اعتراضات و شبہات اٹھائے اس گروپ کی مختلف سورتوں میں، مختلف اسلوبوں سے، ان کے جواب بھی دیے گئے ہیں اور نبی ﷺ اور قرآن کا اصل مرتبہ و مقام بھی واضح فرمایا گیا ہے۔ اسی کے ضمن میں قرآن پر ایمان لانے والوں کو، مرحلۂ امتحان سے گزرنے کے بعد، دنیا اور آخرت دونوں میں، فوز و فلاح کی بشارت دی گئی ہے اور جو لوگ اس کی تکذیب پر اڑے رہیں گے، اتمام حجت کے بعد، ان کو ان کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔

۲۵-سورۃ الفرقان

اس سورہ کا عمود قرآن اور نبی ﷺ کا دفاع ہے۔ مخالفین نے جو شبہات و اعتراضات، قرآن اور پیغمبر ﷺ کے خلاف اٹھائے وہ اس میں نقل کر کے ان کے جواب دیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی مخالفین کے اعتراض و انکار کے اصل محرکات کا بھی پتہ دیا گیا ہے اور قرآن کی جن باتوں سے وہ خاص طور پر متوحش تھے مثلاً دعوت توحید یا انذار عذاب، وہ مزید دلائل سے مبرہن کی گئی ہیں۔

۲۶-سورۃ الشعراء

یہ سورہ سابق سورہ... سورۂ فرقان... کے مثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ اس میں بھی نبی ﷺ کی رسالت اور قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کا اثبات ہے لیکن نہج استدلال اور اسلوب بیان اس کا سابق سورہ سے مختلف ہے۔

سابق سورہ میں جن انبیائے کرام کی سرگزشتوں کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا گیا تھا اس میں ان کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

نبی ﷺ پر قریش کاہن اور شاعر ہونے کا جو الزام لگاتے تھے اس میں اس الزام کی خاص طور پر تردید فرمائی ہے۔

اس میں ہر پیرے کے بعد آیات 'اِنَّ فِي ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ط وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ' بطور ترجیع آٹھ بار وارد ہوئی ہیں۔ اس ترجیع سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ آپؐ کی صداقت کے ثبوت کے لیے آپؐ سے کسی نشانئ عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے وہ اس میں خاص طور پر مخاطب ہیں۔ ان کو تاریخ کے حقائق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ رسولوں اور ان کے مکذبین کی تاریخ سے سبق لیں۔ ان لوگوں کی روش کی تقلید نہ کریں جو خدا کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔

۲۷-سورة النمل

سابق سورہ میں یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ یہ قرآن کوئی شاعری اور کہانت نہیں ہے بلکہ اللہ کا اتارا ہوا کلام ہے لیکن جو لوگ اس پر ایمان نہیں لانا چاہتے وہ اس کے انذار کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ ان کا مطالبہ یہ ہے کہ قرآن ان کو جس چیز سے ڈرا رہا ہے جب وہ اس کو دیکھ لیں گے تب اس پر ایمان لائیں گے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ وہ عذاب کو دعوت دینے کے بجائے رسولوں اور ان کے جھٹلانے والوں کی تاریخ سے سبق حاصل کریں۔ اس سورہ میں یہ واضح فرمایا ہے کہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت وبشارت بنا کر نازل فرمایا ہے لیکن اس پر ایمان وہی لائیں گے جن کے دلوں کے اندر آخرت کا خوف ہے۔ جو لوگ اس دنیا کے عیش و آرام میں مگن ہیں وہ اپنے ان مشاغل سے دست بردار نہیں ہوسکتے ہیں جن میں وہ مشغول ہیں۔ ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں اس طرح کھبا دیے گئے ہیں کہ اب کوئی تذکیر و تنبیہ بھی ان پر کارگر نہیں ہوسکتی۔ پچھلی سورہ میں بحث کی بنیاد صفات الٰہی میں سے صفات... عزیز ورحیم... پر رکھی ہے جن کے تمام پہلوؤں کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔ اس سورہ کی بنیاد صفات... حکیم و علیم... پر ہے کہ یہ قرآن خدائے حکیم و علیم کا اتارا ہوا ہے تو وہ جو کچھ کرے گا وہ حکمت اور علم پر مبنی ہوگا۔ پیغمبرؐ اور ان کے ساتھیوں کو اپنے رب حکیم و علیم پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ وہ ان کو اچھے انجام سے ہم کنار کرے گا۔

۲۸-سورۃ القصص

یہ سورہ سابق سورہ... نمل... کا مثنیٰ ہے۔ اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ البتہ اجمال و تفصیل اور اسلوب بیان و نہج استدلال کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے۔ سابق سورہ میں حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت کا صرف اتنا حصہ اجمالاً بیان ہوا ہے جو ان کو رسالت عطا کیے جانے اور فرعون کے پاس جانے کے حکم سے متعلق ہے۔ اس سورہ میں وہ پوری سرگزشت، نہایت تفصیل سے بیان ہوئی ہے، جو ان کی ولادت باسعادت سے لے کر ان کو تورات عطا کیے جانے تک کے احوال و مشاہدات پر مشتمل ہے۔ سابق سورہ میں بنی اسرائیل کی طرف صرف ایک مخفی اشارہ تھا، اس سورہ میں ان کے صالحین و مفسدین دنوں کا رویہ نسبتہً وضاحت سے زیر بحث آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں یہود کھل کر سامنے آ گئے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت آنحضرت ﷺ کو بعینہٖ اسی مقصد سے سنائی گئی ہے جس مقصد سے سورۂ یوسف میں حضرت یوسفؑ کی سرگزشت سنائی گئی ہے کہ اس آئینہ میں نبی ﷺ بھی اچھی طرح دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی حفاظت و صیانت اور اپنی اسکیموں کو بروئے کار لانے کے لیے اپنی کیا شانیں دکھاتا ہے اور آپؐ کے مخالفین بھی دیکھ لیں کہ اس دعوت کی مخالفت میں بالآخر ان کو کس انجام سے دوچار ہونا ہے۔

قریش پر اس سورہ میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ جس طرح اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا اسی طرح اس نے اس پیغمبر اور اس کتاب کو تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ تم پر اللہ کی ہدایت پوری طرح واضح ہو جائے اور تمہارے پاس گمراہی پر جمے رہنے کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔

بنی اسرائیل پر یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ اگر یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول نہ ہوتے تو کس طرح ممکن تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی زندگی کے ان گوشوں سے بھی یہ واقف ہوتے جن سے تم بھی صحیح صحیح اور اس تفصیل سے واقف نہیں ہو! اور ساتھ ہی اس امر واقعی کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ جو ہدایت، اللہ نے تم پر نازل فرمائی تھی وہ تم نے اختلافات میں پڑ کر گم کر دی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اپنے اس رسول کے ذریعہ سے اس ہدایت کو از سر نو زندہ کرے اور خلق پر اپنی حجت تمام کرے۔

آنحضرت ﷺ کو اس میں یہ تسلی دی گئی ہے کہ اس قرآن کو تم نے اللہ سے مانگ کر نہیں لیا ہے بلکہ اللہ نے خود تم پر اس کی ذمہ داریاں ڈالی ہیں تو جب اس نے خود تم پر اس کا بار ڈالا ہے تو تم مخالفوں کی مخالفت اور راہ کی مشکلات سے بے پرواہو کر اپنا فرض انجام دو۔ جس اللہ نے یہ بوجھ تم پر ڈالا ہے وہ خود ہر قدم پر تمہاری رہنمائی ودست گیری فرمائے گا اور تمہیں کامیابی کی منزل پر پہنچائے گا۔

۲۹-سورة العنكبوت

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ کا آغاز ان لوگوں کو مخاطب کر کے ہوا ہے جو نبی ﷺ پر ایمان لانے کے جرم میں ستائے جا رہے تھے۔ خاص کر نوجوان اور غلام، سورہ کے نزول کے دور میں، اپنے باپوں اور آقاؤں کے ہاتھوں بڑی سخت آزمائش کے دور سے گزر رہے تھے۔ قدرتی طور پر اس صورت حال نے کمزور ارادے کے لوگوں کے اندر بہت سے سوالات قرآن اور رسول کی صداقت سے متعلق پیدا کر دیے... جن کا برسر موقع جواب دیا جانا ضروری ہوا تا کہ مظلوموں اور کمزوروں کی ہمت افزائی بھی ہو اور جو لوگ خدا کی ڈھیل کو اپنی فتح سمجھ کر ظلم و ستم میں بالکل بے باک ہوتے جا رہے تھے ان کو بھی تنبیہ ہو۔

حالات کے تقاضے سے اس میں ہجرت کی طرف بھی اشارات ہیں اور مظلوم مسلمانوں کو یہ رہنمائی دی گئی ہے کہ انھیں بہر حال ظلم کے آگے سپر نہیں ڈالنی چاہیے۔ اگر حق کی خاطر انھیں اپنے وطن کو چھوڑنا پڑ جائے تو اس کے لیے بھی انھیں تیار رہنا چاہیے۔ نہ خدا کی زمین تنگ ہے اور نہ اس کے خزانۂ رزق میں کمی ہے۔ جو لوگ خدا کی راہ میں ہجرت کریں گے خدا ان کے لیے خود اپنا دامن رحمت پھیلائے گا اور ان کی ساری ضروریات کا کفیل ہو گا۔

پچھلی سورہ میں اہل کتاب کی مخالفت کی طرف بعض اشارات گزرے ہیں۔ اس سورہ میں ان کی مخالفت کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کو یہ رہنمائی بھی دی گئی ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ بحث میں ان کو کیا روش اختیار کرنی چاہیے۔

۳۰-سورۃ الروم

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ، سابق سورہ... عنکبوت... کا مثنیٰ ہے اور دونوں کا قرآنی نام بھی ایک ہی یعنی الٓمّٓ ہے۔ اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ پچھلی سورہ میں ظاہری حالات کے علی الرغم مسلمانوں کو نصرت الٰہی اور غلبہ کی بشارت دی گئی ہے اوراس بشارت کی بنیاد اس حقیقت پر رکھی گئی ہے کہ اس کارخانہ کائنات کو اللہ تعالیٰ نے بالحق پیدا کیا ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ تمام امر و نہی اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ اس دنیا میں بھی اپنے رسول اور اپنے ساتھیوں کو غلبہ بخشے گا اور اس دنیا کے بعد آخرت بھی ہے جس میں اس کے کامل حق و عدل کا ظہور ہو گا۔ اس وقت باطل یکسر نابود ہو جائے گا اور حق و اہل حق کو ابدی بادشاہی حاصل ہو گی۔

یہ مسائل مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان زیر بحث ہی تھے کہ اسی اثناء یعنی ۶۱۴ء میں پڑوس کے ملک یعنی شام اور فلسطین میں یہ انقلاب پیش آیا کہ مجوسیوں نے حملہ کر کے رومیوں کو وہاں سے بے دخل کر دیا۔ رومی چونکہ نصرانیت کے پیرو تھے اس وجہ سے دین وعقیدہ کے اعتبار سے وہ مسلمانوں سے قریب تھے اور اس قربت کے سبب سے قدرتی طور پر مسلمانوں کو ان سے ہمدردی تھی۔ اس کے برعکس مجوسی دین شرک کے پیرو تھے اس وجہ سے مشرکین کی تمام ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ مجوسیوں کے ہاتھوں رومیوں کی اس شکست سے مشرکین مکہ کو بڑی شہ ملی۔ اس کی آڑ میں انھوں نے قرآن کی ان تمام باتوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا جو ان کی خواہشوں کے خلاف تھیں۔ مثلاً یہ کہ مسلمان جو یہ کہتے ہیں کہ دین توحید ہی حق ہے یا مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گا یا قیامت آنے والی ہے جس میں حق کا بول بالا ہو گا، یہ سب باتیں ان کی محض لایعنی ہیں۔ اگر ان کی یہ باتیں سچی ہوتیں تو بھلا مجوسیوں کو رومیوں پر کس طرح غلبہ حاصل ہوتا! یہ واقعہ تو اس بات کی صاف شہادت ہے کہ ہمارا ہی دین وعقیدہ اور ہمارا ہی نظریۂ زندگی صحیح ہے اور ہم ہی غالب وحاکم رہیں گے۔

قرآن نے اس سورہ میں اسی واقعہ کو بنیاد بنا کر ان تمام حقائق کو از سر نو مبرہن کیا ہے جن کو
مشرکین نے مشتبہ بنانے کی کوشش کی۔

۳۱-سورة لقمان

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

دونوں سابق سورتوں... العنکبوت اور الرّوم... کی طرح اس سورہ کا قرآنی نام بھی 'الٓمّٓ' ہی ہے۔ یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ ان کے عمود و مضمون میں فی الجملہ اشتراک ہے۔ اس سورہ کی تمہید سورۂ بقرہ کی تمہید سے ملتی جلتی ہوئی ہے اور بقرہ کا قرآنی نام بھی یہی ہے۔ بقرہ کی تمہید میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس قسم کے لوگ اس کتاب پر ایمان لائیں گے اور کس قسم کے لوگ اس سے اعراض کریں گے۔ اسی طرح اس سورہ کی تمہید میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ کس قسم کے لوگ اس برکت و رحمت سے فائدہ اٹھائیں گے اور کون لوگ اس سے محروم رہیں گے۔

سابق سورہ میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ یہ قرآن اس دین فطرت کی دعوت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور اس دعوے پر آفاق و انفس کے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ اس سورہ میں آفاق و انفس کے دلائل کے ساتھ ساتھ عرب کے مشہور حکیم... لقمان... کے نصائح کا حوالہ دیا گیا ہے، جس کا مقصود اہل عرب پر یہ واضح کرنا ہے کہ ان کے اندر جو صحیح فکر و دانش رکھنے والے لوگ گزرے ہیں انھوں نے بھی انہی باتوں کی تعلیم دی ہے جن باتوں کی تعلیم یہ پیغمبرؐ دے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقل سلیم (COMMON SENSE) انہی باتوں کے حق میں ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں، نہ کہ ان باتوں کے حق میں جن کی وکالت قرآن کے مخالفین کر رہے ہیں۔ یہ اس بات کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اصل فطرت یہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ سوچنے سمجھنے والے لوگ ان حقائق تک کس طرح پہنچتے؟

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ مغربی فلاسفہ جب اخلاقیات پر بحث کرتے ہیں تو اس کی بنیاد وہ عقل عام کے معروف اخلاقی مسلمات (COMMON SENSE ETHIOS) ہی پر رکھتے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ یہ اخلاقی مسلمات کہاں سے پیدا ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک حکیم فاطر اور فطرۃ اللہ کو تسلیم کرنے سے گریز کرنا چاہتے ہیں۔ اس حقیقت سے گریز کی سزا ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ دی کہ ان کا سارا فلسفۂ اخلاق بالکل بے بنیاد اور بے معنی ہو کے رہ گیا ہے۔ ان کی تمام فلسفیانہ کاوشیں نہ تو نیکی اور بدی کے امتیاز

کے لیے کوئی کسوٹی معین کر سکیں اور نہ وہ یہ بتا سکے کہ کیوں انسان کو نیکی کرنی چاہیے اور کیوں بدی سے بچنا چاہیے۔ سود مندی، لذت، خوشی اور فرض برائے فرض وغیرہ کی قسم کے جتنے نظریات بھی انھوں نے ایجاد کیے سب پادر ہوا ثابت ہوئے اور خود انہی نے ان کے بخیے ادھیڑ کے رکھ دیے۔ قرآن نے نہ صرف اخلاقیات کی بلکہ پورے دین کی بنیاد فطرت پر رکھی ہے اور یہ فطرت چونکہ ایک حکیم فاطر کی بنائی ہوئی ہے اس وجہ سے کسی کے لیے اس سے انحراف جائز نہیں ہے۔ جو شخص اپنی فطرت سے انحراف اختیار کرے گا وہ اپنے آپ کو تباہ اور اپنے فاطر کو ناراض کرے گا۔ انسان کی رہنمائی کے لیے اس کی فطرت اپنے اندر حقائق و معارف کا خزانہ رکھتی ہے لیکن انسان اپنے ماحول سے متاثر ہو کر بگڑ بھی سکتا ہے اور اپنے اختیار سے غلط فائدہ اٹھا کر اپنی فطرت کی خلاف ورزی بھی کر سکتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور اپنی کتابوں کے ذریعے سے فطرت کے تمام مضمرات واضح کر دیے تاکہ کسی کے لیے کسی التباس و اشتباہ کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ بلکہ ہر شخص فطرت کی سیدھی راہ پر چل کر دنیا کی فوز و فلاح اور آخرت میں اپنے رب کی خوشنودی حاصل کر سکے۔

اس سورہ میں لقمان کی حکمت کے حوالے سے مقصود، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، قرآن کی تائید میں ایک ایسے حکیم کی شہادت پیش کرنا ہے جس نے زندگی کے حقائق پر غور کیا تھا اور جو قرآن کے مخالفین کے نزدیک بھی نہایت ہی بلند پایہ اور واجب الاحترام حکیم سمجھا جاتا رہا ہے۔ ساتھ ہی اس میں قرآن کی دعوت کی تائید میں آفاق و انفس کے دلائل ایک نئے اسلوب سے پیش کیے گئے ہیں۔

۳۲-سورة السجدة

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... لقمان... کا مثنیٰ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ قرآنی نام بھی دونوں کا ایک ہی یعنی 'الٓمّٓ' ہے۔ تمہید بھی دونوں کی ایک ہی نوع کی ہے۔ اس کا آغاز اس مضمون سے ہوتا ہے کہ یہ کتاب خداوند عالم کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اس کو اتار کر اللہ تعالیٰ نے ان امّی عربوں پر عظیم احسان فرمایا ہے جن کے اندر اب تک کوئی منذر نہیں آیا تھا۔ وہ انتہائی ناشکرے ہوں گے اگر انھوں نے اس کی قدر کرنے کے بجائے اس کے کتاب الٰہی ہونے کے دعوے کو افتراء قرار دیا۔ اس کے کتاب الٰہی ہونے میں ذرا شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے بعد کلام کا رخ قرآن کے ان دعاوی کے اثبات کی طرف مڑ گیا ہے جو خاص طور پر مخالفین کی وحشت کا باعث تھے اور جن کے سبب سے وہ اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ آخر میں تورات کا حوالہ ہے کہ اسی طرح کتاب، اللہ نے حضرت موسیٰؑ پر بھی اتاری تھی جس کی فرعون اور اس کی قوم نے مخالفت کی اور اس کا نہایت برا انجام ان کے سامنے آیا۔ اس کے بعد آنحضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو تسلی دی گئی ہے کہ جس طرح تورات کے حاملین کو صبر کے امتحانوں سے گزرنے کے بعد کامیابی حاصل ہوئی اسی طرح تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو بھی صبر کے امتحان سے گزرنا پڑے گا۔ اگر تم ان مراحل سے کامیابی سے گزر گئے تو فتح تمھی کو حاصل ہوگی۔ تمہارے یہ مخالفین بالآخر پامال ہو کر رہیں گے۔

۳۳-سورة الأحزاب

سورہ کا عمود، گروپ کے ساتھ اس کا تعلق اور زمانۂ نزول

جس طرح سورۂ نور اپنے گروپ کے آخر میں پورے گروپ کے تکملہ وتتمّہ کی حیثیت رکھتی ہے اسی طرح سورۂ احزاب اپنے پورے گروپ کا جو فرقان سے شروع ہوا ہے، تکمہ وتتمّہ ہے۔ یہ گروپ، جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں، قرآن ورسالت کے اثبات میں ہے۔ اس تعلق سے اس سورہ میں چند باتیں خاص طور پر نمایاں ہوئی ہیں۔

... آنحضرت ﷺ پر بحیثیت رسول جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی تھی اس کی وضاحت اور بے خوف لومۃ لائم اس کو ادا کرنے کی تاکید۔

... انبیاء ورسل کے طبقہ کے اندر آپ کو جو امتیاز خاص اور جو مرتبہ و مقام حاصل ہے اس کا بیان۔

... امت کے ساتھ آپ کے تعلق کی نوعیت اور امت پر آپ کے حقوق اور ان کے مقتضیات کی وضاحت۔

... حضورؐ کی ازواج مطہراتؓ کا درجہ امت کے اندر اور نبی ﷺ کے ساتھ ان کے تعلق کی مخصوص نوعیت۔

... اس عظیم امانت کا حوالہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر ڈالی گئی ہے اور جس کی وضاحت کے لیے اللہ نے اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ اس عظیم ذمہ داری کے حقوق و فرائض کی یاددہانی۔

یہ سورہ اس دور میں نازل ہوئی ہے جب منافقین ومنافقات نے قرآن کی بعض اصلاحات کو بہانہ بنا کر آنحضرت ﷺ کے خلاف پراپیگنڈے کی ایک نہایت مکروہ مہم چلا رکھی تھی۔ یہاں تک کہ ازواج مطہراتؓ کے ذہن کو بھی انھوں نے مسموم کرنے کی کوشش کی۔ اس میں ان فتنوں کی طرف بھی اشارات ہیں جو منافقین نے غزوۂ احزاب کے دوران، جو ۵ھ میں واقع ہوا، مسلمانوں کو بددل کرنے کے لیے اٹھائے۔ اسی سلسلہ میں حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے واقعہ کی اصل نوعیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس

لیے کہ اس واقعہ کو بھی واقعۂ اُفک کی طرح، جس کا ذکر سورۂ نور میں گزر چکا ہے، منافقین نے فتنہ انگیزی کا ذریعہ بنالیا تھا۔

پانچواں گروپ

سورۂ سبا سے سورتوں کا پانچواں گروپ شروع ہو رہا ہے جو سورۂ حجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں ۱۳ سورتیں... از سبا تا الاحقاف... مکی ہیں، آخر میں تین سورتیں... محمد، الفتح، الحجرات... مدنی ہیں۔

مطالب اگرچہ اس گروپ میں بھی مشترک ہیں یعنی قرآنی دعوت کی تینوں اساسات... توحید، قیامت، رسالت... پر جس طرح پچھلے گروپوں میں بحث ہوئی ہے اسی طرح اس میں بھی یہ تمام مطالب زیر بحث آئے ہیں! البتہ نہج استدلال اور اسلوب بیان مختلف اور جامع عمود اس کا اثبات توحید ہے جو اس مجموعہ کی تمام سورتوں میں نمایاں نظر آئے گا۔ دوسرے مطالب اسی کے تحت اور اسی کے تضمنات کی وضاحت کے طور پر آئے ہیں۔

۳۴-سورة سبأ

سورت کا عمود

اس گروپ کی پہلی سورہ، سورۂ سبا ہے۔ اس کا عمود اثبات توحید و قیامت ہے۔ بنیاد اس کی شکر اور اس کے مقتضیات پر ہے اور مخاطب مترفین قریش ہیں۔

۳۵-سورة فاطر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... سورۂ سبا... کی توام سورہ ہے اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اس کا بھی اصل مضمون توحید ہی ہے۔ اس کا آغاز خدا کی حمد کے اثبات اور فرشتوں کی الوہیت کے تصور کے ابطال سے ہوا ہے۔ پھر توحید ہی کے تحت رسالت و معاد سے متعلق وہ باتیں بیان ہوئی ہیں جو مقصد انذار کے پہلو سے ضروری اور سورہ کے مزاج اور اس کے زمانۂ نزول سے مناسبت رکھنے والی ہیں۔ پچھلی سورہ میں، یاد ہو گا، جنوں اور ملائکہ کی الوہیت کے تصور کا ابطال فرمایا ہے۔ اس سورہ میں ملائکہ کی الوہیت کے تصور کی تردید نسبۃً زیادہ واضح الفاظ میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین عرب کے مزعومہ معبودوں میں سب سے زیادہ اہمیت فرشتوں ہی کو حاصل تھی۔

۳۶-سورة یس

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سورۂ یٰسٓ اور گروپ کی پچھلی دونوں سورتوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ پچھلی سورتوں میں توحید، معاد اور رسالت کے جو مطالب زیر بحث آئے ہیں انہی پر اس میں بھی بحث ہوئی ہے۔ البتہ تفصیل و اجمال اور نہج استدلال کے اعتبار سے فرق ہے۔ پچھلی سورہ کے بعض مطالب اس میں تاریخی اور فطری دلائل سے اچھی طرح محکم و مدلل کر دیے گئے ہیں۔ اس کا آغاز اثبات رسالت کے اسی مضمون سے ہوا ہے جس پر سابق سورہ تمام ہوئی ہے۔ اور فلسفۂ دین کے نقطۂ نظر سے غور کیجیے تو یہ حقیقت بھی واضح طور پر نظر آئے گی کہ اس کی بنیاد بھی، پچھلی سورتوں کی طرح، شکر اور اس کے مقتضیات ہی پر ہے۔ آگے ہم سورہ کے مطالب کا تجزیہ پیش کرتے ہیں جس سے اس کا عمود اور نظام ان شاء اللہ اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔

۳۷-سورة الصافات

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ... سورۂ یٰسٓ ... کے مثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ توحید، قیامت اور رسالت کے اصولی مباحث جس طرح اس گروپ کی پچھلی سورتوں میں زیر بحث آئے ہیں اسی طرح اس میں بھی زیر بحث آئے ہیں البتہ نہج استدلال اور ترتیب بیان مختلف ہے۔ توحید جو اس پورے گروپ کی روح ہے، اس سورہ میں بھی نمایاں ہے۔ لیکن اس میں اس کے ایک خاص پہلو ... الوہیت ملائکہ کے تصور کے ابطال ... کو زیادہ وضاحت کے ساتھ لیا ہے۔ احوال قیامت کی تصویر اس میں ایسے زاویہ سے پیش کی گئی ہے جس سے مشرکین کے عوام اور ان کے لیڈروں کی باہمی تو تکار سامنے آتی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ بھی اس میں اجمالاً بیان ہوئی ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جن قوموں نے رسولوں کی تکذیب کی اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹا دیا۔ فلاح صرف رسولوں اور ان کی پیروی کرنے والوں کو حاصل ہوئی۔

۳۸-سورۃ ص

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس گروپ کی پچھلی سورتوں کی طرح اس سورہ کی بنیاد بھی توحید پر ہے۔ اس میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ قرآن قریش کے لیے ایک عظیم یاددہانی ہے لیکن یہ محض اپنے کبر و غرور اور شرک پرستی کے جوش و جنون میں اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور اس انجام سے بالکل بے پرواہیں جس سے قرآن ان کو آگاہ کر رہاہے۔ یہ اس انجام کو دیکھ کر اس پر ایمان لائیں گے لیکن اس وقت کا ایمان بالکل بے سود ہو گا۔

۳۹-سورۃ الزمر

یہ سورہ سابق سورہ... سورۂ صٓ... کے مثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس مضمون پر سابق سورہ ختم ہوئی ہے اسی مضمون سے اس کا آغاز ہوا ہے۔ سورۂ صٓ کے آخر میں فرمایا ہے کہ یہ قرآن دنیا والوں کے لیے ایک عظیم یاددہانی ہے، لوگوں کو یاد دلا رہا ہے کہ آخرت شدنی ہے اور سب کو ایک ہی رب حقیقی کے آگے پیش ہونا ہے تو جو لوگ آج اس کو جھٹلا رہے ہیں وہ بہت جلد اس کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اب اس سورہ کی تلاوت کیجیے تو اس کا آغاز بھی اسی مضمون سے ہوتا ہے کہ خدائے عزیز و حکیم نے یہ کتاب نہایت اہتمام سے اس لیے اتاری ہے کہ لوگوں نے اللہ کی توحید کے بارے میں جو اختلافات پیدا کر رکھے ہیں ان کا فیصلہ کر دے تاکہ حق واضح ہو جائے اور جو لوگ اپنے فرضی دیویوں دیوتاؤں کے بل پر آخرت سے نچنت بیٹھے ہیں وہ چاہیں تو وقت آنے سے پہلے اپنی عاقبت کی فکر کر لیں۔ اسی پہلو سے اس میں توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں، شرک اور شرکاء کی تردید بھی فرمائی گئی ہے اور قیامت کے دن مشرکین کا جو حشر ہو گا اس کی تصویر بھی کھینچی گئی ہے۔ سورہ کی بنیاد توحید پر ہے اور اسی تعلق سے اس میں قیامت کا بھی بیان ہوا ہے۔ یہ سورہ اس گروپ کی ان سورتوں میں سے ہے جو کشمکش حق و باطل کے اس دور میں نازل ہوئی ہیں جب ہجرت کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ بعد کی سورتوں میں یہ مضمون بالتدریج واضح ہوتا گیا ہے۔

۴۰-سورۃ المؤمن

گروپ کی پچھلی سورتوں کی طرح اس سورہ کی بنیاد بھی توحید ہی پر ہے۔ قرآن کے دوسرے اصولی مطالب بھی اس میں زیر بحث آئے ہیں لیکن اصلاً نہیں بلکہ ضمناً توحید کے لوازم و مقتضیات کی حیثیت سے آئے ہیں۔

اس کا قرآن نام 'حٰمٓ' ہے اور یہی نام اس کے بعد کی چھ سورتوں کا بھی ہے۔ یہ ساتوں 'حوامیم' کے نام سے مشہور ہیں اور اپنے ناموں کی طرح اپنے مطالب میں بھی مشترک ہیں۔ یہ تمام سورتیں دعوت کے اس دور سے تعلق رکھنے والی ہیں جب توحید و شرک کی بحث نے اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ پیغمبر ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر مکہ میں عرصۂ حیات تنگ ہونے لگا تھا۔ ہجرت کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکا ہے۔ اب اس میں اور آگے کی سورتوں میں وقت کے یہ حالات بالتدریج نمایاں ہوتے جائیں گے اور ان کے تقاضے سے پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدۂ نصرت و حمایت بھی بالکل واضح ہوتا جائے گا۔ جو مسلمان اس وقت حالات سے نبرد آزما تھے ان کی اس میں حوصلہ افزائی کی گئی ہے، جو خطرات میں تھے ان کو تسلی دی گئی ہے اور جو دعوت کے ساتھ ہمدردی رکھنے کے باوجود، کسی مصلحت سے، اب تک کھل کر اس کی حمایت کے لیے میدان میں نہیں اترے تھے ان کو یہ رہنمائی دی گئی ہے کہ مصلحتوں سے بے پروا ہو کر وہ کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو گا۔

۴۱-سورة المؤمن

اس سورہ کا بھی اصل مضمون سابق سورہ کی طرح توحید ہی ہے۔ اس میں توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں اوران لوگوں کو انذار بھی کیا گیا ہے جو قرآن کی دعوت توحید کی مخالفت کررہے تھے۔ ساتھ ہی ان ایمان والوں کو ابدی کامیابی کی بشارت دی گئی ہے جو مخالفوں کی تمام مخالفانہ سرگرمیوں کے علی الرغم، توحید پر استوار رہیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تمہارے دشمن خواہ کتنا ہی جاہلانہ رویہ اختیار کریں لیکن تم ان کی جہالت کا جواب صبر وبردباری سے دینا۔ یہی طریقہ بابرکت اور اسی میں تمہاری دعوت کی کامیابی مضمر ہے۔

۴۱-سورة فصلت

اس سورت کا بھی اصل مضمون سابق سورت کی طرح توحید ہی ہے۔ اس میں توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں اور ان لوگوں کو انذار بھی کیا گیا ہے جو قرآن کی دعوتِ توحید کی مخالفت کر رہے تھے۔ ساتھ ہی ان ایمان والوں کو ابدی کامیابی کی بشارت دی گئی ہے جو مخالفوں کی تمام مخالفانہ سرگرمیوں کے علی الرغم، توحید پر استوار رہیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تمھارے دشمن خواہ کتنا ہی جاہلانہ رویہ اختیار کریں، لیکن تم ان کی جہالت کا جواب صبر اور بردباری سے دینا۔ یہی طریقہ بابرکت اور اسی میں تمھاری دعوت کی کامیابی مضمر ہے۔

۴۲-سورۃ الشوریٰ

اس سورہ کا بھی مرکزی مضمون توحید ہی ہے۔ اسی کے تحت قیامت سے بھی ڈرایا گیا ہے اس لیے کہ توحید کی اصلی اہمیت اسی وقت سامنے آتی ہے جب اس بات پر ایمان ہو کہ انصاف کا ایک دن لازماً آنے والا ہے اور اس دن ہر شخص کو سابقہ اللہ واحد و قہار ہی سے پیش آئے گا، کسی کی مجال نہیں ہو گی کہ اس کی پکڑ سے کسی کو بچا سکے یا اس کے اذن کے بغیر اس کے سامنے زبان ہلا سکے۔

استدلال کی بنیاد اس میں دعوت انبیاء کی تاریخ پر ہے کہ آدمؑ و نوحؑ سے لے کر اب تک تمام انبیاء نے اسی دین توحید کی دعوت دی اور ان کو بھی اللہ نے اسی طرح وحی کے ذریعہ سے تعلیم دی جس طرح یہ قرآن وحی کیا جارہا ہے۔ مختلف حلقوں نے دین کے معاملہ میں جو اختلاف کیا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ کے رسولوں نے الگ الگ دینوں کی تعلیم دی بلکہ اس کی وجہ صرف باہمی عداوت و رقابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح علم آجانے کے باوجود مختلف گروہوں نے اپنی ضد اور اپنی برتری قائم رکھنے کے زعم میں حق سے اختلاف کی اور اس طرح لوگ مختلف گروہوں اور حلقوں میں بٹتے گئے۔ یہ قرآن اسی اختلاف کو مٹانے کے لیے ایک میزان حق بن کر نازل ہوا ہے۔ اگر لوگ اس میزان کے فیصلہ کو قبول نہیں کریں گے تو اب قیامت کی میزان عدل لوگوں کا فیصلہ کرے گی۔ سورہ کے مطالب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکی دور کے آخر میں، ہجرت سے متصل زمانے میں نازل ہوئی ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کی زبان سے قریش کے لیڈروں کو اس میں جو خطاب ہے اس کی نوعیت وداعی خطاب کی ہے، گویا ان سے متعلق پیغمبرؐ کی جو ذمہ داری تھی وہ پوری ہو گئی، اب ذمہ داری لوگوں کی اپنی ہے۔ اگر انھوں نے یہ ذمہ داری اب بھی محسوس نہ کی تو اس کے نتائج کے لیے تیار رہیں۔ اسی طرح مسلمانوں سے متعلق اس میں جو باتیں فرمائی گئی ہیں ان سے مترشح ہوتا ہے کہ اب وہ ایک ایسے دور میں داخل ہو رہے ہیں جس میں ان کو ایک ہیئت اجتماعی کی شکل میں اپنے فرائض ادا کرنے ہیں جس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے انھیں تیار رہنا چاہیے۔ نبی ﷺ کو اس میں بار بار یہ تسلی دی گئی ہے کہ تمہاری ذمہ داری لوگوں کو واضح طور پر حق پہنچا دینے کی تھی وہ تم نے پوری کر دی۔ لوگوں کے دلوں میں ایمان اتار دینا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ اب ان کا معاملہ اللہ کے

حوالے کرو۔ اسی ضمن میں بعض اعتراضات کے جواب بھی دیے گئے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی نبوت پر مخالفین کی طرف سے کیے گئے۔

۴۳-سورة الزخرف

سور کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ، سابق سورہ کے مثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ گروپ کی دوسری سورتوں کی طرح اس کا بھی مرکزی مضمون توحید ہی ہے اور اس توحید ہی کی اہمیت واضح کرنے کے لیے اس میں قیامت کا بھی ذکر ہوا ہے۔ خاص طور پر ملائکہ کی الوہیت اور ان کی شفاعت کے تصور کا ابطال اس میں تفصیل سے ہے اور قریش کے اس دعوے کی تردید کی گئی ہے کہ وہ جس دین شرک کے پیرو ہیں یہ ان کو حضرت ابراہیمؑ سے وراثت میں ملا ہے۔

سابق سورہ میں قرآن کی عظمت ایک خاص پہلو سے نمایاں کی گئی تھی اس میں اس کے بعض دوسرے پہلو نمایاں کر کے قریش کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر محض دولت دنیا کے غرور میں تم نے اس عظیم نعمت کی قدر نہ کی تو یاد رکھو کہ پیغمبر کے اوپر ذمہ داری صرف اس حق کو پہنچا دینے کی ہے۔ اس کی تکذیب کے نتائج کی ذمہ داری خود تمہارے اوپر ہو گی۔

قرآن پر نفس وحی کے پہلو سے مخالفین کے جو اعتراضات تھے اور جن کو وہ اس کی تکذیب کا بہانہ بنا رہے تھے ان کے جواب پچھلی سورہ میں دیے گئے ہیں، اس سورہ میں انبیائے سابقین کی دعوت کے ساتھ اس کی ہم آہنگی واضح فرمائی گئی ہے کہ جس دین توحید کی دعوت یہ قرآن دے رہا ہے اسی کی دعوت تمام انبیاء نے دی ہے۔ جو لوگ اس کو جھٹلا رہے ہیں وہ اپنے لیے اسی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں جس سے رسولوں کی تکذیب کرنے والی دوسری قومیں دوچار ہوئیں۔

۴۴-سورة الدخان

سور کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ کا قرآنی نام وہی ہے جو سابق سورہ کا ہے اور اس کی تمہید بھی اصل مدعا کے اعتبار سے تقریباً وہی ہے جو سابق سورہ کی ہے۔ البتہ دونوں میں یہ فرق ہے کہ سابق سورہ میں توحید کے دلائل کا پہلو نمایاں ہے اور اس میں توحید کے دلائل کے بجائے انذار کا پہلو غالب ہے۔ پوری سورہ پر تدبر کی نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ اس میں قرآن اور رسالت کا اثبات اس پہلو سے ہے کہ قرآن منکرین کو جس انجام کی خبر دے رہا ہے وہ دنیا میں بھی شدنی ہے اور آخرت میں بھی۔ تاریخ اس کی شہادت دے رہی ہے اور یہی عقل و فطرت کا تقاضا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سابق سورہ کی آخری آیت میں یہ جو فرمایا ہے کہ 'فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ'[۲۳] (ان کو نظر انداز کرو اور کہو میرا اسلام لو، پس یہ عنقریب جان لیں گے) اس سورہ میں اسی تہدید کے دلائل و قرائن کی وضاحت ہے۔ گروپ کی آگے کی سورتوں میں یہ مضمون زیادہ واضح ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ گروپ کے آخر میں جو مدنی سورتیں ہیں ان میں قریش کے عزل اور اہل ایمان کی نصرت اور ان کے غلبہ کا بالکل قطعی الفاظ میں اعلان فرما دیا گیا ہے۔

۲۳-الزخرف:۸۹

۴۵-سورۃ الجاثیۃ

سورکا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ نام، تمہید اور بنیادی مطالب میں سابق سورہ کا مثنیٰ ہے۔ فرق ہے تو اجمال و تفصیل کا ہے۔ اس میں قریش کو صاف الفاظ میں دھمکی دی گئی ہے کہ توحید اور قیامت کے دلائل سے آسمان و زمین کا ہر گوشہ معمور ہے اور ان کی تفصیل اللہ نے اپنی کتاب میں بھی بیان کر دی ہے۔ اگر یہ دلیلیں تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں تو دنیا کی کوئی چیز بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اب تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ وہی تمہارا فیصلہ فرمائے گا۔

مسلمانوں کو اس میں صاف الفاظ میں فتح و غلبہ کی بشارت دی گئی ہے کہ کچھ دنوں صبر کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرو۔ اگر استقلال کے ساتھ تم اپنے موقف پر ڈٹے رہے تو آخری کامیابی تمہارا ہی حصہ ہے۔ اس راہ میں جو مصیبتیں بھی تم جھیلو گے وہ رائگاں نہیں جائیں گی بلکہ اللہ تعالیٰ ان کا بھرپور صلہ دے گا۔

یہ سورہ اس دور کی سورتوں میں سے ہے جب یہود کھلم کھلا قریش کی پیٹھ ٹھونکنے لگ گئے تھے۔ اس وجہ سے اس میں یہود کو بھی نہایت واضح الفاظ میں ملامت ہے کہ اللہ نے ان کو امامت کے جس منصب پر فائز فرمایا تھا اپنی شامت اعمال سے انھوں نے اس کو ضائع کر دیا۔ اب ان کا معاملہ اللہ کی عدالت میں پیش ہو گا اور وہی ان کا فیصلہ فرمائے گا۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ تنبیہ ہے کہ اللہ نے جو روشن شاہراہ تم کو دکھائی ہے اس پر چلو اور ان دین بازوں سے ہوشیار رہو۔ یہ زور لگا رہے ہیں کہ اپنی ایجاد کردہ بدعات میں مبتلا کر کے تمہیں بھی اللہ کی راہ سے اس طرح محروم کر دیں جس طرح وہ خود محروم ہو بیٹھے ہیں۔

۴۶-سورۃ الأحقاف

سورۃ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ اس گروپ کی آخری مکی سورہ ہے۔ اس کے بعد تین سورتیں مدنی ہیں جن میں انہی وعدوں اور وعیدوں کی تکمیل ہے جن کا پچھلی مکی سورتوں میں ذکر ہوا ہے۔ اس کا قرآنی نام وہی ہے جو پچھلی سورہ کا ہے اور اس کی تمہید بھی بعینہٖ وہی ہے جو پچھلی سورہ کی ہے۔ اس میں مخالفین قرآن کو نہایت آشکارا الفاظ میں آگاہ کیا گیا ہے کہ قرآن جس روز قیامت سے تم کو خبردار کر رہا ہے وہ ایک امر شدنی ہے۔ شرک و شفاعت کے بل پر اگر تم اس انذار کو نظر انداز اور پیغمبرؐ کو ایک مفتری قرار دے رہے ہو تو یاد رکھو کہ تمہارے ان اوہام کے حق میں عقل و نقل کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ برعکس اس کے یہ قرآن ایک ایسی چیز ہے جس کی شہادت اس کے نزول سے پہلے ہی بنی اسرائیل کے ایک عظیم شاہد نے بھی دی ہے اور اس کی پیشین گوئیاں تورات میں بھی موجود ہیں جن کا یہ ٹھیک ٹھیک مصداق ہے اس وجہ سے تمہیں یہود اور نصاریٰ کی شہ سے بھی کسی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے، یہ لوگ تو خود اپنے رسولوں اور اپنے صحیفوں کو جھٹلا رہے ہیں۔

اس کے بعد نبی ﷺ کو نہایت واضح الفاظ میں تسلی دی ہے کہ ان مخالفین کی ذرا پروانہ کرو۔ تمہاری ذمہ داری لوگوں تک اس کتاب کو پہنچا دینے کی ہے۔ اس پر ایمان وہی لوگ لائیں گے جن کی طبیعت میں سلامت روی، حق شناسی اور عاقبت بینی ہے۔ ان لوگوں سے کسی خیر کی امید نہ رکھو جو بالکل مادر پدر آزاد ہیں۔ تم جو چیز پیش کر رہے ہو اس کی اثر آفرینی کا حال تو یہ ہے کہ راہ چلتے جنوں کے کان میں بھی اس کے کلمات پڑ گئے ہیں تو وہ بھی اس پر فریفتہ ہو گئے ہیں۔ اگر ان لوگوں پر اس کا اثر نہیں پڑ رہا ہے تو یہ اس کلام کی کوئی خرابی نہیں بلکہ ان کے دلوں ہی کی خرابی ہے۔ تم صبر کے ساتھ اپنا کام کرو اور ان کو ان کے انجام کے حوالہ کرو جس کے ظہور میں اب زیادہ دیر نہیں ہے۔

۴۷-سورۃ محمد

سور کا عمود اور گروپ کے ساتھ اس کے تعلق نوعیت

پچھلی سورہ... سورۂ احقاف... پر اس گروپ کی مکی سورتیں تمام ہوئیں۔ اب آگے تین سورتیں مدنی ہیں، سورۂ احقاف کے بعد یہ سورہ اس طرح بلا تمہید شروع ہو گئی ہے گویا احقاف کی آخری آیت میں کفار کے لیے جو وعید ہے اس میں اس کا عملی ظہور ہے۔ پچھلی سورتوں میں آپ نے دیکھا کہ یہ حقیقت اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے کہ قریش اور ان کے حامی اہل کتاب جس باطل کی حمایت میں لڑ رہے ہیں نہ آفاق و انفس اور عقل و فطرت کے اندر اس کی کوئی بنیاد ہے نہ انبیاء کی تاریخ اور آسمانی صحیفوں میں اس کی کوئی شہادت ہے۔ یہ گھورے پر اگا ہوا ایک درخت ہے جس نے محض اس وجہ سے جگہ گھیر رکھی ہے کہ اس کو اکھاڑنے والا ہاتھ موجود نہیں ہے۔ اب اس سورہ اور اس کے بعد کی دونوں سورتوں میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اس کو اکھاڑ پھینکنے والے ہاتھ اللہ نے پیدا کر دیے ہیں اور تقدیر کا یہ اٹل فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ کفار کی وہ تمام کوششیں رائگاں ہو کے رہیں گی جو انھوں نے خلق کو اللہ کے راستہ سے روکنے کے لیے صرف کی ہیں۔ ساتھ ہی اہل ایمان کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ ان کی مساعی اس دنیا میں بھی بارآور ہو گی اور آخرت میں بھی وہی سرخرو ہوں گے بشرطیکہ وہ اپنے فرائض پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ ادا کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ اسی ضمن میں منافقوں کو دھمکی دی گئی ہے جو مدعی تو ایمان کے تھے لیکن ان کی ہمدردیاں کفار اور اہل کتاب کے ساتھ تھیں۔ ان کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ اگر انھوں نے اس نفاق کو چھوڑ کر یکسوئی کے ساتھ اللہ اور رسول کا ساتھ نہ دیا تو ان کا بھی وہی حشر ہونا ہے جو کفار و مشرکین کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

۴۸-سورة الفتح

سورکا عمود اور سابق سورہ سے ربط

سابق سورہ کی آیت ۳۵ میں اہل ایمان سے یہ وعدہ جو فرمایا ہے کہ اگر تم کمزور نہ پڑے تو تمہی سربلند ہو گے، تمہارے حریف ذلیل و پامال ہوں گے، اس سورہ میں اسی وعدہ کے ایفاء کی واقعاتی شہادت ہے۔ اس کا آغاز صلح حدیبیہ کے ذکر سے ہوا ہے جو فتح مکہ کی تمہید اور آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت پر اتمام نعمت کا فتح باب ثابت ہوئی۔ اس میں فتح و غلبہ کی ان پیشین گوئیوں اور بشارتوں کا بھی حوالہ ہے جو اس امت کے باب میں تورات اور انجیل میں وارد ہوئی ہیں تاکہ اہل ایمان اور اہل کفر دونوں پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہوا، ہو رہا ہے اور آگے ہو گا، ان میں سے کوئی بات بھی اتفاقی نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی سکیم میں پہلے سے طے ہے اور یہ سکیم پوری ہو کے رہے گی۔ کسی کی طاقت نہیں ہے کہ اس میں مزاحم ہو سکے۔

۴۹-سورۃ الحجرات

یہ سورہ سابق سورہ۔۔۔ الفتح۔۔۔ کا ضمیمہ و تتمہ ہے۔ سورۂ فتح کی آخری آیت میں، تورات کے حوالہ سے، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ صفت جو وارد ہوئی ہے کہ 'مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِینَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ '(محمدؐ اللہ کے رسول اور جو ان کے ساتھ ہیں کفار کے لیے سخت اور باہمد گر نہایت مہربان ہوں گے)۔ یہ پوری سورہ اسی ٹکڑے کی گویا تفسیر ہے۔ جہاں تک اس کی اہمیت کا تعلق ہے اس کی وضاحت سورۂ فتح کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔ اس کی یہ اہمیت مقتضی ہوئی کہ اس کے وہ مضمرات یہاں وضاحت سے بیان کر دیے جائیں جن کا بیان کیا جانا اس وقت مسلمانوں کے معاشرے کی اصلاح کے لیے نہایت ضروری تھا۔ یہ بات اپنے محل میں بیان ہو چکی ہے کہ قرآن میں احکام و ہدایات کا نزول حالات کے تقاضوں کے تحت ہوا ہے تاکہ لوگوں پر ان کی صحیح قدر و قیمت واضح ہو سکے۔ چنانچہ یہ سورہ بھی ایسے حالات میں نازل ہوئی ہے جب نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں کی طرف سے بعض باتیں ایسی سامنے آئیں جن سے ظاہر ہوا کہ یہ لوگ نہ تو رسول کے اصلی مرتبہ و مقام ہی سے اچھی طرح واقف ہیں اور نہ اسلامی معاشرہ کے اندر اپنی ذمہ داریوں ہی سے۔ چنانچہ اس ضمیمہ میں ضروری ہدایات دے دی گئیں جو اس وقت کے حالات کے اندر ضروری تھیں۔ ان احکامات و ہدایات کا تعلق تمام تر نبی ﷺ اور مسلمانوں کے باہمی حقوق ہی سے ہے۔ کفار کا معاملہ اس میں زیر بحث نہیں آیا۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کو جو رویہ اختیار کرنا چاہیے اس کی وضاحت پچھلی سورتوں میں ہو چکی ہے۔

سورہ کے تیسرے گروپ میں جس نوعیت کا تعلق سورۂ نور کا سورۂ مومنون کے ساتھ ہے اسی نوعیت کا تعلق اس سورہ کا سورۂ فتح کے ساتھ ہے دونوں کا مزاج باہمد گر بالکل ملتا جلتا ہوا ہے۔

چھٹا گروپ

سورۂ قٓ سے سورتوں کا چھٹا گروپ شروع ہو رہا ہے۔ اس میں کل سترہ سورتیں ہیں۔ جن میں سے ساتھ سورتیں ... قٓ، ذاریات، طور، قمر، نجم، رحمان اور واقعہ ... بالترتیب مکی ہیں۔ صرف سورۂ رحمان کو بعض مصاحف میں مدنی ظاہر کیا گیا ہے، لیکن اس کی تفسیر سے واضح ہو جائے گا کہ یہ رائے بالکل بے بنیاد ہے۔ پوری سورہ کا مدنی ہونا تو درکنار اس کی کوئی ایک آیت بھی مدنی نہیں ہے۔

سورۂ واقعہ کے بعد دس سورتیں ... حدید، مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق اور تحریم... مدنی ہیں۔

اس گروپ کا جامع عمود بعث اور حشر و نشر ہے۔ اس کی تمام مکی سورتوں میں یہ مضمون ابھرا ہوا نظر آئے گا۔ اگرچہ قرآن کے بنیادی مطالب، دوسرے گروپوں کی طرح، اس میں بھی زیر بحث آئے ہیں لیکن وہ اسی جامع عمود کے تحت آئے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جو مدنی سورتیں اس میں شامل ہیں وہ بھی اسی اصل کے تحت ہیں۔ بعث اور حشر و نشر پر ایمان کا لازمی نتیجہ اللہ اور اس کے رسول کی کامل اطاعت ہے۔ مدنی سورتوں میں اسی تسلیم و اطاعت کے وہ مقتضیات بیان ہوئے ہیں جن کے بیان کے لیے زمانۂ نزول کے حالات داعی ہوئے ہیں۔

مکی سورتوں میں تمام رد و قدح کفار قریش کے عقائد و مزعومات پر ہے اور وہی ان میں اصلاً مخاطب بھی ہیں، نبی ﷺ اور مسلمانوں سے اگر خطاب ہے تو بطور التفات و تسلی ہے۔ مدنی سورتوں میں خطاب نبی ﷺ اور مسلمانوں سے ہے اور خاص طور پر ان لوگوں کی کمزوریاں زیر بحث آئی ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان کے مدعی تو بن بیٹھے تھے لیکن ایمان کے تقاضوں سے ابھی اچھی طرح آشنا نہیں ہوئے تھے۔ انہی کے ضمن میں اہل کتاب بھی زیر بحث آئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس دور میں اہل کتاب بھی قریش کی حمایت اور اسلام کی مخالفت کے لیے میدان میں اتر آئے تھے، دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر منافقین کا گروہ جو گھس آیا تھا وہ بیشتر انہی اہل کتاب کے زیر اثر تھا۔

۵۰- سورة ق

سورہ کا عمود

اس سورہ کا عمود بعث یعنی زندگی بعد الموت کا اثبات ہے۔ قرآن نے جب لوگوں کو آگاہ کیا کہ مرنے کے بعد لوگ از سر نو زندہ کیے جائیں گے اور اپنے رب کے آگے اپنے اعمال و اقوال کی جواب دہی کے لیے پیش ہوں گے تو یہ چیز قریش کے لیڈروں پر بہت شاق گزری کہ انہی کے اندر کا ایک شخص مدعیٔ نبوت بن کر ان کو اس بات سے ڈرا رہا ہے کہ مرنے کے بعد لوگ پھر زندہ کیے جائیں گے۔ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ مرنے اور سڑ گل جانے کے بعد لوگ از سر نو زندہ ہوں! اس سورہ میں لوگوں کے اسی استبعاد کو موضوعِ بحث بنا کر ان کے شبہات کے جواب دیے گئے ہیں۔

۵۱-سورۃ الذاریات

یہ سورہ، سابق سورہ...قٓ... کی مثنیٰ ہے۔ سورۂ قٓ کی تفسیر میں آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہے جو قرآن کے اس دعوے کو بعید از امکان قرار دیتے تھے کہ لوگ مرنے کے بعد از سرنو زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ اس سورہ میں ایک قدم اور آگے بڑھ کر قرآن کے انذار عذاب کو بھی ثابت کیا گیا ہے اور جزا و سزا کو بھی۔ سورہ کا عمود اس کی تمہید ہی میں ان الفاظ سے واضح فرما دیا گیا ہے: 'اِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۵ وَاِنَّ الدِّیۡنَ لَوَاقِعٌ' (بے شک جو وعید تم کو سنائی جا رہی ہے وہ بالکل سچی ہے اور جزا و سزا لازماً واقع ہو کے رہے گی)۔

خطاب قریش کے مکذبین ہی سے ہے اور استدلال کی بنیاد تمام تر آفاق و انفس کے دلائل پر ہے۔ آخر میں نبی ﷺ کو اس سورہ میں بھی اسی طرح تسلی دی گئی ہے جس طرح سابق سورہ میں دی گئی ہے۔

۵۲-سورۃ الطور

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ اس گروپ کی تیسری سورہ ہے۔ پچھلی دونوں سورتوں ...قٓ اور الذّٰریٰت... میں زندگی بعد موت، حشر و نشر اور جزاء و سزا کے عقلی و انفسی اور آفاقی و تاریخی دلائل بیان ہوئے ہیں اور انداز بیان عمومیت یعنی جزا اور سزا دونوں کے پہلو لیے ہوئے ہے چنانچہ الذّٰریٰت میں عمود کی حیثیت، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے، ’ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ . وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ‘(بے شک جس چیز کی تم کو دھمکی دی جا رہی ہے وہ سچی ہے اور جزاء و سزا واقع ہو کے رہے گی) کو حاصل ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ جزا و سزا کے دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے، خواہ اس کا تعلق رحمت سے ہو یا عذاب سے۔ اس سورہ میں عذاب کے پہلو کو زیادہ نمایاں فرمایا ہے چنانچہ چند تاریخی اور آفاقی شواہد کا حوالہ دینے کے بعد قریش کو نہایت واضح الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ ’ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ . مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ‘(۷-۸)(بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کے رہے گا اور کوئی بھی اس کو دفع کرنے والا نہ بن سکے گا) یہی دھمکی اس سورہ میں مقسم علیہ کی حیثیت بھی رکھتی ہے اور یہی اس سورہ کا عمود بھی ہے۔

۵۳-سورة النجم

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الطّور... کی توام سورہ ہے۔ مرکزی مضمون دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی جزا اور سزا کا اثبات۔ بس یہ فرق ہے کہ سابق سورہ میں عذاب کے پہلو کو نمایاں فرمایا ہے اور اس میں اس شفاعت باطل کی تردید ہے جس میں مشرکین عرب مبتلا تھے۔ اس کی وجہ، جیسا کہ پچھلی سورتوں میں ہم واضح کر چکے ہیں، یہ ہے کہ اس عقیدۂ باطل کے باقی رہتے ہوئے مشرکین کے لیے بڑے سے بڑے عذاب کی دھمکی بھی بالکل بے اثر تھی۔ قرآن نے اسی وجہ سے قیامت اور توحید دونوں کا ذکر ہمیشہ ساتھ ساتھ کیا ہے تاکہ مشرکین کے لیے کوئی راہ فرار باقی نہ رہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ پچھلی سورہ میں بھی ہے، اس سورہ میں اس اشارہ کی پوری وضاحت ہو گئی ہے۔ گویا ان دونوں سورتوں کا مشترک مضمون یہ ہے کہ منکرین و مکذبین کے لیے اللہ کا عذاب لازمی ہے، اپنے جن معبودوں کی شفاعت پر یہ تکیہ کیے بیٹھے ہیں اول تو ان کی کوئی حقیقت نہیں، محض فرضی نام ہیں جو انھوں نے رکھ چھوڑے ہیں اور اگر کچھ حقیقت ہے تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ لوگوں کے ساتھ کامل علم اور کامل عدل پر مبنی ہو گا۔ اس بات کا وہاں کوئی امکان نہیں ہے کہ کسی کی شفاعت اس کے علم میں کوئی اضافہ کر سکے، یا اس کے فیصلہ کو تبدیل کر سکے یا باطل کو حق بنا سکے۔

عمود اور مضمون کے علاوہ سابق سورہ کے خاتمہ اور اس سورہ کے آغاز پر بھی ایک نظر ڈالیے تو دونوں میں بڑی واضح مناسبت نظر آئے گی۔ سورۂ طور کی آخری آیت 'وَمِنَ اللیل فَسَبِّحۡهُ وَاِدۡبَارَ النُّجُومِ' ہے اور اس سورہ کی پہلی آیت 'وَالنَّجۡمِ إِذَا هوی' ہے۔ گویا سابق سورہ کی آخری اور اس سورہ کی پہلی آیت نے دونوں میں ایک نہایت خوب صورت حلقۂ اتصال کی شکل پیدا کر دی ہے۔ اس قسم کا اتصال اکثر مقامات میں موجود ہے۔ بعض جگہ لفظی، بعض جگہ معنوی، اور بعض مقامات میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کا۔ اس قسم کی بعض چیزوں کی طرف ہم نے پچھلی سورتوں میں اشارے کیے ہیں۔

۵۴-سورۃ القمر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ کا آغاز اسی مضمون سے ہوا ہے جس پر سابق سورہ ختم ہوئی ہے۔ سابق سورہ 'أَزِفَتْ الْاٰزِفَةُ' (۵۷) (قریب آپہنچی قریب آنے والی) کی تنبیہ پر تمام ہوئی۔ اس سورہ کا آغاز 'اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ' (۱) (عذاب کی گھڑی قریب آپہنچی اور چاند شق ہو گیا) سے ہوا ہے۔ گویا 'أَزِفَتْ الْاٰزِفَةُ' کے اجمال کی اس میں تفصیل فرما دی گئی ہے۔ اس مناسبت کے علاوہ ایک اور ظاہری مناسبت بھی دونوں میں واضح ہے۔ پہلی سورہ میں ستاروں کے ہبوط و سقوط سے دعوے پر شہادت پیش کی گئی ہے اور اس میں چاند کے پھٹنے سے۔

اس میں آیت 'وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فهل مِن مُّدَّكِرٍ' بار بار دہرائی گئی ہے۔ جس سورہ میں کسی آیت کی ترجیع ہو اس کو سورہ میں خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ گویا متکلم تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اپنے دعوے پر دلائل بیان کرتے ہوئے ضدی مخاطب کو بار بار توجہ دلاتا ہے کہ اپنی ضد ہی پر کیوں اڑے ہوئے ہو، اس واضح حقیقت پر کیوں نہیں غور کرتے جو تمہارے سامنے دلائل کی روشنی میں پیش کی جا رہی ہے۔

مخاطب اس میں وہ مکذبین ہیں جو قرآن کے انذار کی تصدیق کے لیے کسی ایسی نشانیٔ عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے جو انھیں قائل کر دے کہ فی الواقع قرآن کی یہ دھمکی سچی ہو کے رہے گی اگر وہ اس کو جھٹلاتے رہے۔ ان کو پچھلی قوموں کی تاریخ، جس کی طرف پچھلی سورہ میں بھی اشارہ ہے، نسبتاً تفصیل کے ساتھ سنا کر متنبہ فرمایا ہے کہ آخر ان قوموں کے انجام سے کیوں عبرت نہیں حاصل کرتے؟ کیوں مچلے ہوئے ہو کہ جب یہی کچھ تمہارے سروں پر بھی گزر جائے گا تب مانو گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے تمہیں عذاب کی نشانی دکھانے کی جگہ ایک ایسی کتاب تم پر اتاری ہے جو تمہاری تعلیم و تذکیر اور تمہارے

شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے ہر پہلو سے جامع و کامل اور تمام ضروری اوصاف و محاسن سے آراستہ ہے۔ لیکن تمہارا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جگہ تم اس کے عذاب کے طالب بنے ہوئے ہو۔

۵۵-سورۃ الرحمن

سورہ کا مزاج، عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ کو بعض لوگوں نے مدنی قرار دیا ہے لیکن پوری سورہ کا مدنی ہونا تو الگ رہا اس کی ایک آیت بھی مدنی نہیں معلوم ہوتی۔ پوری سورہ بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہے اور پڑھنے والا صاف محسوس کرتا ہے کہ یہ بیک دفعہ نازل ہوئی ہے۔

اپنے مزاج اور مطالب کے اعتبار سے یہ سورتوں کے اس زمرے سے تعلق رکھتی ہے جو مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی ہیں جب پیغمبر ﷺ کی تکذیب کے جوش میں مخالفین اس مطالبہ پر اڑ گئے ہیں کہ جب تک ان کو کوئی نشانیٔ عذاب نہ دکھا دی جائے گی اس وقت تک نہ وہ یہ ماننے کے لیے تیار ہیں کہ اس نئی دعوت کی تکذیب کے نتیجہ میں ان پر کوئی عذاب آجائے گا اور نہ یہ تسلیم کرنے والے ہیں کہ فی الواقع آگے کوئی دن آنے والا ہے جس میں ان کو دائمی عذاب اور ابدی رسوائی سے دوچار ہونا پڑے۔

ضد اور ہٹ دھرمی کی اس ذہنیت کے سبب سے سابق سورہ میں بھی آپ نے دیکھا ہے کہ 'كَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ . وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ' کی تذکیر بار بار دہرائی گئی ہے اور اس سورہ میں 'فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ' کی تنبیہ بار بار آئی ہے۔ کسی ایک ہی بات کی طرف بار بار توجہ دلانے کا یہ اسلوب ظاہر ہے کہ اسی صورت میں اختیار کیا جاتا ہے جب مخاطب یا تو اتنا ضدی ہو کہ اپنی خواہش کے خلاف کوئی بات ماننے کے لیے تیار ہی نہ ہو یا اتنا غبی ہو کہ جب تک اس کو کان پکڑ پکڑ کر ایک ایک چیز کی طرف توجہ نہ دلائی جائے اس سے کسی معقول بات کے سمجھنے کی توقع ہی نہ کی جا سکتی ہو۔

کلام میں مخاطب کی ذہنیت اور اس کے مزاج کی رعایت ایک ناگزیر شے ہے۔ اگر متکلم یہ چیز ملحوظ نہ رکھ سکے تو اس کا کلام نہ مطابق حال ہو گا، نہ بلیغ۔ جو لوگ کلام کے ان تقاضوں سے نابلد ہوتے ہیں وہ اس نوعیت کے کلام کی خوبیوں اور نزاکتوں کے پرکھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ ایک آیت کے بار بار اعادے کو تکرار پر محمول کرتے اور اس تکرار کو ایک عیب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سورہ پر بھی بعض کم سوادوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک ہی آیت کا بار بار اعادہ ہے۔ حالانکہ اگر وہ یہ سمجھ جائیں کہ اس میں مخاطب کس ذہنیت کے لوگ ہیں تو وہ پکار اٹھیں کہ اس سورہ کی ایک ایک ترجیع اپنے محل میں اس طرح جڑی ہوئی ہے جس طرح انگشتری میں نگینہ ہوتا ہے۔

سورۂ قمر میں قریش کے ہٹ دھرموں کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ رسولوں اور ان کی قوموں کی تاریخ سے آخر کیوں سبق نہیں لیتے؟ کیوں اڑے ہوئے ہو کہ جب عذاب کا تازیانہ دیکھ لو گے تب ہی مانو گے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے تمہاری تعلیم و تذکیر کے لیے ایک کتاب اتاری جو ہر پہلو سے اس مقصد کے لیے نہایت موزوں ہے! اس سورہ میں اسی مضمون کو ایک نئے اسلوب اور نہایت اچھوتے انداز سے لیا ہے اور انھیں یہ سمجھایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ہے کہ اس نے تمہاری تعلیم کے لیے قرآن اتارا۔ تمہاری فطرت کا تقاضا یہی تھا کہ اس مقصد کے لیے قرآن ہی اتارا جائے۔ جب اللہ نے تم کو نطق و بیان کی صلاحیت سے نوازا ہے تو تم بات سمجھ بھی سکتے ہو اور سمجھا بھی سکتے ہو۔ اس اعلیٰ صلاحیت کا حق یہی ہے کہ اسی کو تمہاری تعلیم کا ذریعہ بنایا جائے نہ کہ عذاب کے ڈنڈے کو، لیکن تمہاری یہ بدبختی ہے کہ تم اس نعمت و رحمت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے کوئی نئی نشانی دیکھنے کے لیے مچلے ہوئے ہو۔ اگر کوئی نشانی ہی مطلوب ہے تو آسمان و زمین اور آفاق و انفس کی نشانیوں پر کیوں نہیں غور کرتے جو ہر روز تمہارے مشاہدے میں آتی ہیں اور تمھیں انھی حقائق کے درس دیتی ہیں جن کی دعوت قرآن دے رہا ہے۔ ان نشانیوں کے ہوتے کسی نئی نشانی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے بعد زمین و آسمان کی ایک ایک نشانی پر انگلی رکھ کر اور گویا ان ضدیوں کے کان پکڑ پکڑ کر توجہ دلائی ہے کہ یہ نشانیاں نہیں ہیں تو کیا ہیں! آخر اپنے رب کی کن کن نشانیوں کو جھٹلاتے رہو گے!

۵۶-سورة الواقعة

سورہ کا عمود اور سابق سورتوں سے تعلق

یہ اس گروپ کی ساتویں سورہ ہے جس پر گروپ کی مکی سورتیں تمام ہوئیں۔ اس میں اس ساری بحث کا خلاصہ سامنے رکھ دیا ہے، جو جزاء و سزا سے متعلق، سورۂ ق سے لے کر سورۂ رحمن تک ہوئی ہے۔ پچھلی سورتوں میں اس موضوع کے تمام اطراف، آفاق و انفس اور عقل و فطرت کے دلائل کی روشنی میں، زیر بحث آئے ہیں، اس سورہ میں دلائل کی وضاحت کے بجائے اصل نتیجہ سے قریش کے مستکبرین کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ قیامت ایک امر شدنی ہے جس میں ذرا شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔ تمھیں لازماً ایک ایسے جہان سے سابقہ پیش آنے والا ہے جس میں عزت و ذلت کے اقدار اور پیمانے ان اقدار اور پیمانوں سے بالکل مختلف ہوں گے جو اس جہان میں معروف ہیں۔ وہاں عزت و سرفرازی ان کے لیے ہو گی جنھوں نے اس دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی کمائی ہو گی، وہ مقربین اور اصحاب الیمین کے درجے پائیں گے۔ جنت کی تمام کامرانیاں انھی کا حصہ ہوں گی۔ رہے وہ جو اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں اور اسی کے عشق میں مگن ہیں وہ اصحاب الشمال میں ہوں گے اور ان کو دوزخ کے ابدی عذاب سے سابقہ پیش آئے گا۔

۵۷-سورة الحدید

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الواقعہ... کی مثنیٰ ہے۔ اگرچہ دونوں میں مکی اور مدنی ہونے کے اعتبار سے فی الجملہ زمانی اور مکانی بُعد ہے لیکن معنوی اعتبار سے دونوں میں غایت درجہ ربط و اتصال ہے۔ سابق سورہ میں یہ اصولی حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ جزاء و سزا کا دن لازماً آ کے رہے گا اور اس دن لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک گروہ سابقون اوّلون کا ہوگا، دوسرا اصحاب یمین کا، تیسرا اصحاب شمال کا۔

اس سورہ میں خاص طور پر مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان کو سابقین اولین کی صف میں اپنی جگہ پیدا کرنے پر ابھارا ہے اور اس کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے پہلے جو لوگ جہاد و انفاق کریں گے وہ سابقین کے زمرے میں شامل ہوں گے اور ان کا مرتبہ ان لوگوں سے اونچا ہوگا جو فتح مکہ کے بعد جہاد و انفاق کی سعادت حاصل کریں گے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ دونوں ہی سے اچھا ہے تاہم تقرب الٰہی کے اعتبار سے دونوں میں جو فرق ہے وہ واضح ہے۔ اسی ضمن میں ان مسلمانوں کو جہاد و انفاق پر ابھارا ہے جو اسلام میں داخل تو ہو گئے تھے لیکن ایمان کے مقتضیات سے اچھی طرح آشنا نہ ہونے کے سبب سے، اس کے مطالبات پورے کرنے کے معاملے میں کمزور تھے۔ ان کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر دنیا کی محبت میں پھنس کر تم نے آخرت کی ابدی بادشاہی حاصل کرنے کا حوصلہ کھو دیا تو یاد رکھو کہ بالآخر یہود کی طرح تمہارے دل بھی سخت ہو جائیں گے اور تمہارا انجام وہی ہوگا جو ان کا ہوا۔

اس معنوی ربط کے ساتھ ساتھ دونوں صورتوں میں ظاہری ربط بھی نہایت واضح ہے۔ سابق سورہ کا خاتمہ 'فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ' کے الفاظ پر ہوا ہے اور اس کا آغاز 'سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِیْ

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ --- الآية' کے الفاظ سے ہوا ہے۔ گویا اُس کی آخری اور اِس کی پہلی آیت نے ایک حلقۂ اتصال کی شکل اختیار کر کے دونوں کو نہایت خوبصورتی سے باہم دگر مربوط کر دیا ہے اس قسم کے ربط کی نہایت خوبصورت مثالیں پیچھے بھی گزر چکی ہیں اور یہ قرآن کے ایک منظم و مربوط کتاب ہونے کا ایک واضح قرینہ ہے۔

۵۸-سورة المجادلة

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ کا خاتمہ اہل کتاب کے اس اعتراض کے جواب پر ہوا ہے جو انھوں نے جہاد کے خلاف اٹھایا۔ اس اعتراض سے تعرض کی ضرورت ظاہر ہے کہ اس وجہ سے پیش آئی کہ مخالفین کے یہ اعتراضات منافقین اٹھالیتے اور پھر ان کو چپکے چپکے مسلمانوں کے اندر پھیلانا شروع کر دیتے کہ ان کے عقیدہ کو متزلزل اور ان کے جوش جہاد کو سرد کریں۔ اس سورہ کے زمانۂ نزول میں معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کی یہ سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ یہ صورت حال داعی ہوئی کہ اس خفیہ پراپیگنڈہ کا سدباب کیا جائے چنانچہ اس سورہ میں منافقین کی اس طرح کی حرکتوں پر نہایت شدت کے ساتھ گرفت بھی کی گئی اور اس کے سدباب کے لیے بعض ضروری تدبیریں اختیار کرنے کی بھی مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی۔ ساتھ ہی ایک نہایت موثر عملی مثال سے یہ سبق بھی لوگوں کو دیا گیا کہ اگر کسی کو اسلام کے سبب سے زندگی میں کوئی مشکل پیش آئے تو اس کو نہایت خلوص کے ساتھ اللہ ورسول کے سامنے عرض کرے۔ امید ہے کہ اس کی مشکل حل ہونے کی کوئی راہ اللہ تعالیٰ کھول دے گا۔ رہے وہ لوگ جو کسی فرضی یا واقعی مشکل کو بہانہ بنا کر اسلام کے خلاف پراپیگنڈے کی مہم شروع کر دیتے ہیں وہ درحقیقت اللہ اور رسول کے خلاف محاذ جنگ کھولنا چاہتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ یاد رکھیں کہ وہ ذلیل ہو کے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ غلبہ اور سرفرازی صرف اللہ اور اس کے رسولوں کے لیے ہے۔

۵۹-سورة الحشر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ۔۔۔ المجادلۃ۔۔۔ میں فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں وہ بالآخر ذلیل و خوار ہو کے رہیں گے، غلبہ اللہ اور اس کے رسولوں کے لیے ہے، اس سورہ میں اسی دعوے کو بعض واقعات سے مبرہن فرمایا ہے جو اس دوران میں پیش آئے اور منافقون کو آگاہ کیا ہے کہ اگر وہ آنکھیں رکھتے ہیں تو ان واقعات سے سبق لیں کہ جن دشمنوں کو وہ ناقابل تسخیر خیال کیے بیٹھے تھے اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو اجاڑ کر جلاوطنی کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہوئے اور ان کے حامیوں میں سے کوئی ان کا ساتھ دینے والا نہ بنا۔

پوری سورہ میں خطاب منافقین ہی سے ہے۔ آخر میں یہ بات بھی ان پر واضح فرما دی گئی ہے کہ ان کے شبہات و شکوک دور کرنے اور ان کے دلوں کے اندر گداز پیدا کرنے کے لیے اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ نازل کر دیا جو ضروری ہے۔ اگر یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اتارا جاتا تو وہ بھی اللہ کی خشیت سے پاش پاش ہو جاتا۔ اگر یہ تمہارے دلوں پر اثر انداز نہیں ہو رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں اور تم سزاوار ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہی معاملہ کرے جو تمہارے جیسے سنگ دلوں کے ساتھ وہ کیا کرتا ہے۔

٦٠-سورة الممتحنة

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

پچھلی سورتوں میں منافقین کا اہل کتاب، بالخصوص یہود، سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا ہے اور یہ منافقین تھے بھی، جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں، بیشتر اہل کتاب ہی میں سے۔ اس سورہ میں مشرکین مکہ سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا ہے اور خطاب خاص طور پر ان لوگوں سے ہے جو اسلام میں داخل بھی تھے اور دین کی خاطر انھوں نے ہجرت بھی کی تھی لیکن اہل مکہ سے رشتہ و برادری کے جو تعلقات تھے اس کی زنجیریں ابھی انھوں نے نہیں توڑی تھیں اس وجہ سے امتحان کے مواقع پر ان سے ایسی کمزوریاں صادر ہو جاتیں جو ایمان و اخلاص کے منافی ہوتیں۔ گویا نفاق کی بیخ کنی یا تطہیر مومنین جو تمام مسبحات کا مشترک مضمون ہے وہی مضمون اس سورہ کا بھی ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ اس میں روئے سخن ان مسلمانوں کی طرف ہے جنھوں نے ہجرت تو کی لیکن ہجرت کی اصل ابراہیمی حقیقت ابھی ان پر اچھی طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کی یاددہانی فرمائی گئی ہے کہ اگر ہجرت کی برکات سے متمتع ہونا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنے سابق ماحول سے ہر قسم کا تعلق منقطع کر کے کلیۃً اللہ اور رسول سے وابستہ ہو جاؤ۔

٦١-سورة الصف

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ میں خطاب ان مسلمانوں سے ہے جو پیغمبر ﷺ سے سمع وطاعت کا عہد کر چکنے کے بعد اللہ کی راہ میں جہاد سے جی چرا رہے تھے، ان کو متنبہ فرمایا ہے کہ اگر عہد اطاعت میں داخل ہو چکنے کے بعد تمہارے روش یہی رہی تو یاد رکھو کہ تمہارا بھی وہی حال ہو گا جو یہود کا ہوا۔ انھوں نے اطاعت کا عہد کر چکنے کے بعد قدم قدم پر اپنے پیغمبر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ اس کج روی کی سزا ان کو یہ ملی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل اس طرح کج کر دیے کہ وہ ہمیشہ کے لیے ہدایت سے محروم ہو گئے۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آخری نبی کی بشارت لے کر آئے اور نہایت کھلے ہوئے معجزات دکھائے تو انھوں نے سارے معجزات کو جادو قرار دیا اور ان کو جھٹلا دیا اور اب وہ اسلام کی مخالفت کے درپے ہیں حالانکہ اسلام، ان کے اور مشرکین دونوں کے علی الرغم، اس سرزمین کے تمام ادیان پر غالب آ کے رہے گا۔

اس کے بعد اس صحیح روش کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جو مسلمانوں کو اختیار کرنی چاہیے اور جو اس عہد کا لازمی تقاضا ہے جو اللہ کے رسول سے انھوں نے کیا ہے۔ ساتھ ہی ان کو اس فتح عظیم کی بشارت دی ہے جو مستقبل قریب میں حاصل ہونے والی ہے اگر وہ اس عہد پر مضبوطی سے قائم رہے۔

آخر میں ان کے سامنے ان لوگوں کا نمونہ رکھا ہے جنھوں نے حق کی طرف سبقت اور اس کی تائید و رفاقت کی نہایت اعلیٰ مثال قائم کی اور دعوت دی ہے کہ پیروی کے قابل نمونہ ان کا ہے نہ کہ یہود کا جو ہمیشہ کے لیے اللہ کی ہدایت سے محروم ہوئے۔

۶۲-سورة الجمعة

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سورۂ صف اور سورۂ جمعہ کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ صرف اسلوب بیان اور نہج استدلال دونوں کے الگ الگ ہیں۔ سابق سورہ میں آنحضرت ﷺ سے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کا حوالہ ہے۔ اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی طرف اشارہ ہے۔ بنی اسمٰعیل کو متنبہ فرمایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جس عظیم نعمت سے نوازا ہے اس کی قدر کریں، یہودیوں کی حاسدانہ سازشوں کا شکار ہو کر اپنے کو اس فضل عظیم سے محروم نہ کر بیٹھیں۔ اسی ذیل میں مسلمانوں کے ایک گروہ کو ملامت فرمائی ہے کہ اس نے دنیوی کاروبار کے طمع میں جمعہ اور رسول کا احترام ملحوظ نہیں رکھا۔ اگر تجارت کی طمع لوگوں کو جمعہ کے احترام اور رسول کی موعظت سے زیادہ عزیز ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اس بیع و شراء کی حقیقت نہیں سمجھی جو وہ اپنے رب سے کر چکے ہیں (جس کا ذکر سابق سورہ میں ہو چکا ہے)، ساتھ ہی اس ناقدری کے انجام سے بھی آگاہ فرمایا ہے کہ یہ روش اختیار کر کے یہود اللہ کی شریعت سے محروم ہو گئے۔ مسلمان فلاح چاہتے ہیں تو ان کی تقلید سے بچیں۔

۶۳-سورة المنافقون

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ، سابق سورہ۔۔۔ الجمعۃ۔۔۔ کے تکملہ اور تتمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ سورۂ جمعہ کے آخر میں ان لوگوں کی کمزوری سے پردہ اٹھایا ہے جو مدعی تو تھے ایمان کے لیکن اپنے دنیوی منافع اور کاروباری مصالح کے پھندوں میں اس طرح گرفتار تھے کہ کوئی تجارتی قافلہ آجاتا تو اس کی خبر پاتے ہی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خطبہ دیتے چھوڑ کر اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوتے۔ اس سورہ میں منافقین کے کردار سے بحث کی ہے کہ یہ ایمان کا کوئی مطالبہ پورا کرنے کا حوصلہ تو رکھتے نہیں لیکن یہ خواہش رکھتے ہیں کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نظر میں ان کا بھرم قائم رہے۔ اس کے لیے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ قسمیں کھا کھا کر پیغمبرؐ کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ آپ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں لیکن اللہ بھی قسم کھا کر کہتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ ان کے اعمال گواہ ہیں کہ یہ نہ اللہ پر ایمان رکھتے نہ رسول پر۔ یہ اپنی قسموں کو بطور ڈھال استعمال کر رہے ہیں اور ان کی آڑ میں اپنے نفاق کو چھپاتے ہیں۔ انھوں نے ایمان کی راہ میں جو قدم اٹھایا وہ مال و جان کی محبت میں پھنس کر واپس لے لیا اس وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور اب وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں۔

۶۴-سورة التغابن

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ... المنافقون... اس تنبیہ پر ختم ہوئی ہے کہ مال و اولاد کی محبت میں پھنس کر اللہ کی یاد اور اس کے حقوق سے غافل نہ ہونا بلکہ جو رزق و فضل اس نے بخشا ہے اس میں آخرت کے لیے کمائی کر لو۔ ورنہ جب موت کی گھڑی آجائے گی تو غفلت کرنے والے حسرت سے کہیں گے کہ کاش اللہ تعالیٰ ان کو تھوڑی سی مہلت دیتا تو وہ اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کر کے کچھ نیکی کی کمائی کر لیتے لیکن ان کی یہ حسرت، حسرت ہی رہے گی۔ گزرا ہوا وقت پھر واپس نہیں آتا۔ اس سورہ میں اسی مضمون کو عمود کی حیثیت سے لیا ہے اور یہ واضح فرمایا ہے کہ اس دنیا کی زندگی ہی کل زندگی نہیں ہے بلکہ اصل زندگی آخرت کی ہے جو شدنی ہے اور یہ فیصلہ وہیں ہونا ہے کہ اس دنیا میں آکر کون ہارا اور کون جیتا تو جو آخرت کی فوز عظیم حاصل کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ و رسول کی رضا جوئی کی راہ میں ہر قربانی کے لیے تیار رہے اور اس معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت اور کسی ناصح کی نصیحت کی پروا نہ کرے۔ بسا اوقات آدمی کے بیوی بچے اس راہ میں مزاحم ہوتے ہیں اور ان کی محبت بہتوں کو پست حوصلہ کر دیتی ہے۔ جو شخص اپنے ایمان کو سلامت رکھنا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس راہ میں رکاوٹ بننے والے بیوی بچوں کو بھی اپنے لیے فتنہ سمجھے اور ان سے بچ کے رہے۔ اگرچہ ان کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ رکھے۔

۶۷-سورۃ الطلاق

سورہ کا عمود اور سابق و لاحق سے تعلق

سابق سورہ... التغابن... کی آیات ۱۶-۱۴ میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ آدمی کے بیوی بچے اس کے لیے بڑی آزمائش ہیں۔ اگر وہ چوکنا نہ رہے تو ان کی محبت میں گرفتار ہو کر وہ اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے جی چرانے لگتا ہے یہاں تک کہ یہ چیز اس کو بالآخر نفاق میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس طرح ان کے ساتھ اس کی دوستی خود اپنے ساتھ دشمنی بن جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ ان سے چوکنے رہنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بالکل ہی قطع تعلق کر لے بلکہ تا حد امکان اس طرح عفو و درگزر کا معاملہ رکھے کہ ان کی اصلاح بھی ہو اور اپنے کو ان کے ضرر سے محفوظ بھی رکھ سکے۔

سورۂ تغابن کے بعد دو سورتوں ... الطلاق اور التحریم... میں اسی نازک مسئلہ کی مزید وضاحت فرمائی اور نفرت و محبت دونوں طرح کے حالات کے اندر صحیح رویہ کے حدود معین کر دیے تاکہ کسی بے اعتدالی کی گنجائش نہ باقی رہے۔ سورۂ طلاق میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر بیوی سے کسی سبب سے نفرت پیدا ہو جائے تو اس کے معاملے میں کس طرح حدود الٰہی کی پابندی کا اہتمام کرے اور سورۂ تحریم میں یہ واضح فرمایا ہے کہ محبت میں کس طرح اپنے آپ کو اور ان کو حدود الٰہی کا پابند رکھنے کی کوشش کرے۔ میاں بیوی کے رشتہ ہی پر تمام معاشرت کی بنیاد ہے اور ہر شخص کو اس سے سابقہ بھی پیش آتا ہے لیکن اس رشتہ کے نازک حدود و قیود کا اول تو سب کو علم نہیں ہوتا اور جن کو ہوتا بھی ہے وہ نفرت یا محبت کی ہلچل میں ان کو ٹھیک ٹھیک ملحوظ رکھنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ کوئی سبب اگر اختلاف یا افتراق کا پیدا ہو گیا ہو تو وہ ایسی نفرت و عداوت کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ شریعت کے تمام حدود و احکام پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر تعلقات محبت پر قائم ہیں، جیسا کہ ہونا چاہیے، تو خدا کے حدود و آداب کا احترام اس محبت پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ یہ دونوں ہی حالتیں حدود الٰہی سے تجاوز اور شریعت سے انحراف کی ہیں جن کا نتیجہ آخرت کی نامرادی ہے اس وجہ سے قرآن نے دو الگ الگ سورتوں میں تفصیل سے بتایا کہ نفرت اور محبت دونوں قسم کے حالات کے اندر آدمی کا معاملہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مجرد اندھے بہرے جذبات پر نہیں بلکہ خدا کے حدود پر مبنی ہونا چاہیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سورتیں در حقیقت سورۂ تغابن ہی کے اجمال کی شرح کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں ہی میں خطاب نبی ﷺ سے ہے اور یہ خطاب بغیر کسی تمہید کے شروع ہو گیا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ سابق سورہ ہی کا تکملہ و تتمہ ہیں۔ نبی ﷺ سے براہ راست خطاب شخصاً نہیں بلکہ امت کے وکیل کی حیثیت سے ہے۔ اس طرح کے خطاب کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ اس براہ راست خطاب سے ان احکام کی اہمیت دوچند ہو گئی ہے جو ان سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ یہاں جن خرابیوں کی اصلاح کی گئی ہے وہ جاہلیت کی سوسائٹی میں عام رہی ہیں بلک شاید یہ کہنا بھی بے جانہ ہو کہ اس تہذیب و تمدن کے دور میں بھی یہ عام ہیں۔ یہ صورت حال مقتضی ہوئی کہ ان کی اصلاح کے احکام براہ راست نبی ﷺ کو خطاب کر کے دیے جائیں تا کہ لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا ہو کہ جب پیغمبرؐ کو بھی ان باتوں کی پابندی کی ہدایت ہے تو تا بہ دیگراں چہ رسد!

٦٨-سورة التحریم

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ کی تفسیر میں ہم یہ اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں... الطلاق اور التحریم... علی الترتیب یہ تعلیم دے رہی ہیں کہ نفرت اور محبت دونوں طرح کے حالات کے اندر اللہ تعالیٰ کے حدود کی پابندی واجب ہے۔ چنانچہ سابق سورہ میں بتایا کہ نفرت کے اندر کس طرح حدود الٰہی کا احترام قائم رکھا جائے۔ اب اس سورہ میں یہ بتایا جارہا ہے کہ محبت کے اندر کس طرح اللہ کے حدود کی حفاظت کی جائے۔

نفرت کی طرح محبت کا جذبہ بھی انسان پر غالب ہو جائے تو اس کو بالکل یک رخا بنا کے رکھ دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کے ساتھ، حدود الٰہی کے معاملے میں، نہایت بے حس اور مداہنت کرنے والا بن جاتا ہے جن سے اس کو محبت ہوتی ہے۔ بیوی بچوں کو وہ علانیہ دیکھتا ہے کہ ان کا رویہ شریعت سے ہٹا ہوا ہے لیکن یا تو اس کو ان کے انحراف کا احساس ہی نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو وہ یہ فرض کر کے نظر انداز کر جاتا ہے کہ آہستہ آہستہ خود بخود ان کی اصلاح ہو جائے گی۔ حد یہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنے متعلقین کی کھلی ہوئی زیادتیوں پر بھی، ان کو ٹوکنے یا روکنے کے بجائے یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لیے کوئی عذر تلاش کریں۔ یہ کمزوری صرف عام لوگوں ہی کے اندر نہیں بلکہ ان لوگوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے جو دوسروں کی اصلاح کے لیے خدائی فوجدار بنے پھرتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں پر یہ حقیقت واضح نہیں ہوئی کہ کسی کے ساتھ محبت کا صحیح تقاضا یہ نہیں ہے کہ اس کو اپنی مداہنت سے خدا کے غضب کے حوالہ کیا جائے بلکہ اس کا صحیح تقاضا یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کو خدا کی پکڑ سے بچایا جائے اگرچہ اس مقصد کی خاطر کچھ ناگواریاں بھی گوارا کرنی پڑیں۔ وہ شخص جو اپنے بیوی بچوں اور دوستوں کی خلاف شریعت باتوں سے چشم پوشی کرتا ہے وہ درحقیقت ان سے محبت نہیں کرتا ہے بلکہ ان کو نہایت بے دردی کے ساتھ خدا کے غضب کے حوالے کر رہا ہے لیکن اس کو اپنے اس فعل کے نتائج کا شعور نہیں ہے۔

ساتواں گروپ

سورۂ ملک سے سورتوں کا ساتواں یعنی آخری گروپ شروع ہو رہا ہے۔ اس گروپ میں بھی سورتوں کی ترتیب اسی طرح ہے جس طرح پچھلے گروپوں میں آپ نے دیکھی۔ پہلے مکی سورتیں ہیں آخر میں چند سورتیں مدنی ہیں اور یہ مدنی سورتیں مکی سورتوں کے ساتھ اسی طرح مربوط ہیں جس طرح فرع اپنی اصل سے مربوط ہوتی ہے۔

اس گروپ کی چند سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اس وجہ سے یہاں یہ بتانا مشکل ہے کہ کہاں سے کہاں تک اس کی سورتیں مکی ہیں اور کہاں سے کہاں تک مدنی۔ جب تمام مختلف فیہ سورتوں پر بحث ہو کر بات منقح ہو جائے گی تب ہی یہ قطعی فیصلہ ہو سکے گا کہ کتنی مکی ہیں اور کتنی مدنی تاہم میری اجمالی رائے یہ ہے کہ سورۂ ملک سے سورۂ کافرون تک ۴۳ سورتیں مکی ہیں اور سورۂ نصر سے سورۂ ناس تک پانچ سورتیں مدنی۔

اس گروپ میں بھی دوسرے گروپوں کی طرح قرآنی دعوت کی تمام اساسات ... توحید، رسالت اور معاد... زیر بحث آئی ہیں اور دعوت کے تمام مراحل کی جھلک بھی اس میں موجود ہے۔ لیکن اس پورے گروپ کا اصل مضمون انذار ہے۔ اس کی بیشتر سورتیں مکی زندگی کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں اور ان میں انذار کا انداز وہی ہے جس انداز میں حضور ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر انذار فرمایا تھا۔ اس انذار کے تقاضے سے اس میں قیامت اور احوال قیامت کی بھی پوری تصویر ہے اور اس عذاب کو بھی گویا قریش کی نگاہوں کے سامنے کھڑا کر دیا گیا ہے جو رسول کی تکذیب کر دینے والوں پر لازماً آیا کرتا ہے۔ استدلال میں بیشتر آفاق کے مشاہدات، تاریخ کے مسلمات اور انفس کی بینات سے کام لیا گیا ہے اور کلام کے زور کا بالکل وہی حال ہے جس کی تصویر مولانا حالیؒ نے اپنے اس شعر میں کھینچی ہے۔ ع

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی

عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

ان سورتوں نے سارے عرب میں ایسی ہلچل برپا کر دی کہ ایک شخص بھی قرآن کی دعوت کے معاملے میں غیر جانبدار نہیں رہ گیا بلکہ وہ یا تو اس کا جانی دشمن بن کر اٹھ کھڑا ہوا یا سچا فدائی اور ان دونوں

کی کشمکش کا نتیجہ بالآخر اس غلبہ ٔحق کی شکل میں نمودار ہوا جس کا ذکر ہر گروپ کی آخری سورتوں میں ہوا ہے اور اس کے آخر میں بھی آئے گا۔

٦٩-سورة الملك

سورہ کا عمود

اس سورہ کا عمود انذار ہے اور اس انذار میں دونوں ہی عذاب شامل ہیں۔ وہ عذاب بھی جس سے رسولوں کے مکذبین کو لازماً اس دنیا میں سابقہ پیش آیا ہے اور وہ عذاب بھی جس سے آخرت میں دوچار ہونا پڑے گا۔ استدلال اس میں آفاق کی نشانیوں سے ہے۔ یعنی اس میں بتایا گیا ہے کہ کائنات کے مشاہدہ سے اس کے خالق کی جو صفات سامنے آتی ہیں وہ اس بات کو مستلزم ہیں کہ یہ دنیا ایک دن اپنی انتہا ہو پہنچے گی۔ جن لوگوں نے اس کے اندر بالکل اندھے بہرے بن کر زندگی گزاری وہ جہنم میں جھونک دیے جائیں گے اور جنھوں نے اپنی عقل و فہم سے کام لیا اور غیب میں ہوتے خدا سے ڈرتے رہے وہ اجر عظیم کے مستحق ٹھہریں گے۔

۷۰-سورة القلم

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مطالب کا تجزیہ

یہ سورہ سابق سورہ... الملک... کا مثنیٰ ہے اس وجہ سے دونوں کے عمود اور موضوع میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ صرف طرز بیان، نہج استدلال اور لب ولہجہ میں فرق ہے۔ جس طرح سابق سورہ میں قریش کو عذاب اور قیامت سے ڈرایا گیا ہے اسی طرح اس سورہ میں بھی ان کو عذاب و قیامت سے ڈرایا گیا ہے لیکن اس سورہ کا لب ولہجہ سابق سورہ کے مقابل میں تیز ہے۔

سابق سورہ کے آخر میں قریش کو مخاطب کر کے آنحضرت ﷺ کی زبان سے یہ کہلوایا گیا ہے کہ 'إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ' کہ اس خبط میں نہ رہو کہ میں کوئی شاعر اور دیوانہ ہوں جس کو گردش روزگار بہت جلد فنا کر دے گی۔ تمہاری یہ توقع بالفرض پوری بھی ہو جائے جب بھی تمہارے لیے اس میں اطمینان کو کائی پہلو نہیں ہے۔ یہ سوال پھر بھی باقی رہتا ہے کہ تمہیں خدا کے عذاب سے بچانے والا کون بنے گا؟ اس سورہ میں اسی مضمون کی تائید میں نبی ﷺ کی دعوت، آپ کی پیش کردہ کتاب اور آپ کے اعلیٰ کردار کا موازنہ قریش کی فاسقانہ قیادت کے کردار سے کر کے یہ دکھایا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب موافق و مخالف دونوں پر واضح ہو جائے گا کہ کن کی باگ فتنہ میں پڑے ہوئے لیڈروں کے ہاتھ میں ہے جو ان کو تباہی کی راہ پر لے جا رہے ہیں اور کون لوگ ہدایت کی راہ پر ہیں اور وہ فلاح پانے والے بنیں گے۔

اس کے بعد باغ والوں کی تمثیل کے ذریعہ سے قریش کو متنبہ فرمایا ہے کہ آج جو امن و اطمینان تمہیں حاصل ہے اس سے اس دھوکے میں نہ رہو کہ اب تمہارے اس عیش میں کوئی رخنہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ جس خدا نے تمہیں یہ سب کچھ بخشا ہے اس کے اختیار میں اس کو چھین لینا بھی ہے۔ اگر تم اس سے نچنت ہو بیٹھے ہو تو یاد رکھو کہ وہ چشم زدن میں تم کو اس سے محروم بھی کر سکتا ہے۔ پھر تم کف افسوس ملتے ہی رہ جاؤ گے۔

آخر میں مکذبین قیامت کی اس فاسد ذہنیت پر ضرب لگائی ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو عیش و آرام انھیں یہاں حاصل ہے اگر آخرت ہوئی تو وہاں بھی انھیں یہی کچھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حاصل ہو گا۔ ان سے سوال کیا ہے کہ آخر انھوں نے خدا کو اتنا نا منصف کس طرح سمجھ رکھا ہے کہ وہ نیکوں اور بدووں میں کوئی امتیاز نہیں کرے گا؟ ساتھ ہی ان کو چیلنج کیا ہے کہ اگر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح کا کوئی عہد کرا لیا ہے یا کوئی ان کے لیے اس کا ضامن بنا ہے تو اس کو پیش کریں۔ اسی ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آج جو سخن سازیاں یہ لوگ کر رہے ہیں اس کا غم نہ کرو، جب قیامت کی ہلچل برپا ہو گی تب انھیں معلوم ہو جائے گا کہ جو خواب وہ دیکھتے رہے تھے وہ حقیقت سے کتنے دور تھے۔ فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے استدراج کے پھندے میں پھنس چکے ہیں اور اس کی تدبیر نہایت محکم ہوتی ہے۔ اس سے بچ نکلنے کا ان کے لیے کوئی امکان نہیں ہے تو صبر کے ساتھ اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کرو اور اس طرح کی عجلت سے بچو جس میں یونس علیہ السلام مبتلا ہوئے اور جس کے سبب سے ان کو ایک سخت امتحان سے دوچار ہونا پڑا۔

۶۹- سورة الحاقة

سورہ کا عمود اور نظام

اس سورہ پر تدبر کی نظر ڈالیے تو اس میں اور سابق گروپ کی سورۂ واقعہ میں مختلف پہلوؤں سے بڑی گہری مشابہت نظر آئے گی، مثلاً

... دونوں قیامت کا اثبات اور اس کے ہول کی تصویر ہے۔

... دونوں میں اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کے انجام کی تفصیل ہے۔

... دونوں میں قرآن مجید کی صداقت و حقانیت پر قسم کھائی گئی ہے۔

سابق سورہ... القلم ... سے بھی اس کو بڑی گہری مناسبت ہے۔ اس کا عمود وہی ہے جو سابق سورہ کا ہے یعنی اثبات عذاب و قیامت۔ البتہ نہج استدلال دونوں میں الگ الگ ہے۔ قرآن کی عظمت و صداقت جس طرح سابق سورہ میں واضح کی گئی ہے اور اس کی تکذیب کے نتائج سے ڈرایا گیا ہے اسی طرح اس سورہ میں بھی یہی مضمون زیر بحث آیا ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ سابق سورہ میں یہ مضمون تمہید کی حیثیت سے ہے اور اس سورہ میں خاتمہ کے طور پر اور تذکیر و تعلیم کے پہلو سے ان دونوں اسلوبوں کی اہمیت الگ الگ ہے۔

۷۰- سورة المعارج

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الحاقۃ... کی مثنیٰ ہے، دونوں کے عمود میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ انذار عذاب و قیامت جس طرح سابق سورہ کا موضوع ہے اسی طرح اس کا بھی موضوع ہے۔ دونوں کے ظاہری اسلوب میں بھی بڑی مشابہت ہے جس طرح سابق سورہ میں اثبات جزا و سزا پر، وسط سورہ میں، قسم کھائی گئی ہے اسی طرح اس سورہ کے وسط میں بھی اسی نوعیت کی قسم ہے۔ خاص پہلو اس کا یہ ہے کہ اس میں ان متمردین کو تنبیہ فرمائی ہے جو عذاب و قیامت کا مذاق اڑاتے اور اس کے لیے جلدی مچائے ہوئے تھے۔ ان کے رویہ پر نبی ﷺ کو صبر کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ یہ بہت ہی تنگ ظرف اور تھڑدلے لوگ ہیں۔ اس وقت خدا نے ان کو جو ڈھیل دی ہے تو ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے ہیں۔ ذرا گرفت میں آجائیں تو ساری شیخی بھول جائیں گے۔ ان سے چندے درگزر کرو۔ ان کے فیصلہ کا وقت آیا ہی چاہتا ہے۔ جب وہ وقت آجائے تب انھیں اندازہ ہوگا کہ جس چیز کے لیے جلدی مچائے ہوئے تھے وہ کسی ہولناک چیز نکلی۔

۷۱-سورة نوح

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ... المعارج... میں آپ نے دیکھا کہ عذاب کے لیے جلدی مچانے والوں کو جواب اور پیغمبر ﷺ کو صبر و انتظار کی تلقین ہے۔ اس سورہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے مراحل، ان کے طویل صبر و انتظار اور بالآخر ان کی قوم کے مبتلائے عذاب ہونے کی سرگزشت اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ اور مقصود اس سے آنحضرت ﷺ اور آپ کی قوم کے سامنے ایک ایسا آئینہ رکھ دینا ہے جس میں آپ بھی دیکھ لیں کہ اللہ کے رسول کو اپنی آخری منزل تک پہنچنے کے لیے صبر و انتظار کے کن زہرہ گداز مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، ساتھ ہی آپ کی قوم بھی دیکھ لے کہ اللہ تعالیٰ جلد بازوں اور ان کے طنز و طعن کے باوجود ان کو ڈھیل اگرچہ ایک طویل مدت تک دیتا ہے لیکن بالآخر پکڑتا ہے اور جب پکڑتا ہے تو اس طرح پکڑتا ہے کہ کوئی ان کو چھڑانے والا نہیں بنتا۔

۷۲-سورة الجن

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مطالب کا تجزیہ

یہ سورہ سابق سورہ... نوح... کی توام سورہ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ قوم نوح کے لیڈروں نے جس ضد و مکابرت کا مظاہرہ کیا، پیغمبر کی دعوت سے جس طرح انھوں نے اپنے کان بند کر لیے اور پھر اس کا جو انجام ان کے سامنے آیا اس کی نہایت ہی موئثر اور عبرت انگیز تصویر قریش کے لیڈروں کے سامنے سورۂ نوح میں رکھ دی گئی ہے۔ اب اس سورہ میں ان کو یہ دکھایا جا رہا ہے کہ جس قرآن سے وہ اس درجہ بیزار ہیں کہ اس کو سن اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے، منہ نوچ لینے کو جھپٹتے اور دامن جھاڑ کے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اسی کو سن کر جنوں کی ایک جماعت اس قدر اثر پذیر ہوتی ہے کہ وہ فوراً اپنی قوم کے اندر اس کی دعوت پھیلانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ جنوں کے جس واقعہ کا حوالہ یہاں ہے اس کا ذکر سورۂ احقاف کی آیات ۳۲-۲۹ میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں ہم نے ذکر کیا ہے کہ اس کو سنانے سے مقصود ایک تو قریش کو غیرت دلانا ہے کہ جنات، جو قرآن کے براہ راست مخاطب بھی نہیں ان کا حال تو یہ ہے کہ کبھی سر راہے بھی ان کے کانوں میں اس کی بھنک پڑ گئی ہے تو وہ اس کو سن کر تڑپ اٹھے اور ایک تم ہو کہ خاص تمہارے ہی لیے یہ اترا اور تمہی کو اس کی دعوت دینے کے لیے اللہ کا رسول اپنے رات دن ایک کیے ہوئے ہے لیکن تم ایسے بدقسمت ہو کہ اس کی کسی بات کا تمہارے دلوں میں اترنا تو درکنار تم اس کے سنانے والوں کے جانی دشمن بن گئے ہو۔ دوسرا مقصد اس سے نبی ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ اگر آپ کی قوم کے اشرار اس قرآن کی ناقدری کر رہے ہیں تو آپ اس سے آزردہ خاطر نہ ہوں۔ جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں وہ اس سے فیض یاب نہیں ہوں گے، خواہ آپ کتنے ہی جتن کریں۔ البتہ جن کے اندر کچھ صلاحیت ہو گی ان کے کانوں میں اگر اتفاق سے بھی اس کے کچھ کلمات پڑ جائیں گے تو وہ ان کے اندر گھر کر لیں گے، خواہ وہ اس کے مخاطب ہوں یا نہ ہوں اور خواہ ان کو سنانے کے لیے کوئی اہتمام کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔

جنوں کے جس تاثر کا اس سورہ میں حوالہ دیا گیا ہے اس سے اگرچہ وہ لوگ متاثر نہیں ہوں گے جو صرف محسوسات کے غلام ہیں اور جو ان چیزوں کے سرے سے وجود ہی کے منکر ہیں جو ان کے محسوسات کے دائرہ سے باہر ہیں لیکن اس طرح کے لوگ یہاں مخاطب بھی نہیں ہیں۔ یہاں مخاطب مشرکین

قریش ہیں جو اتنے بلید نہیں تھے کہ صرف انہی چیزوں کو مانیں جنھیں چھوتے اور دیکھتے ہوں۔ وہ جنوں کو نہ صرف مانتے تھے بلکہ ان سے رابطہ رکھنے کے لیے انھوں نے کہانت کا پورا نظام قائم کر رکھا تھا اس وجہ سے قرآن نے ایک اہم واقعہ کی حیثیت سے ان کو جنوں کے یہ تاثرات سنائے کہ وہ چاہیں تو اس سے فائدہ اٹھائیں ۔کاہنوں کے واسطے سے وہ جنوں کے اشرار کی القاء کی ہوئی جھوٹی خبریں سنتے تھے۔ قرآن نے ان کے سامنے ان کے اخیار کی ایک سچی رپورٹ رکھی تا کہ جن کے اندر خیر و شر میں امتیاز کی کچھ صلاحیت ہے وہ اس سے ایمان کی طرف رہبری حاصل کریں۔ قرآن نے غیب کے جو حقائق بیان کیے ہیں وہ اسی مقصد سے بیان کیے ہیں کہ حق کے طالب ان سے فائدہ اٹھائیں۔ اگرچہ محسوسات پرست اس کو واہمہ کی خلاق قرار دیں گے لیکن نااہلوں کی ناقدری کے سبب سے قدرت خلق کو اپنی فیض بخشی سے محروم نہیں کرتی۔

۷۳-سورۃ المزمل

سورہ کا زمانۂ نزول اور عمود

یہ سورہ اور بعد کی سورہ... المدّثّر... دونوں بالکل ہم رنگ و ہم مزاج اور توام ہیں۔ عام مفسرین نے ان کو بالکل ابتدائی سورتوں میں سے شمار کیا ہے لیکن ان کے مطالب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس دور میں نازل ہوئی ہیں جب قریش کے امراء و اغنیاء کی طرف سے دعوت کی مخالفت اتنی شدت اختیار کر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ اس صورت حال سے نہایت مغموم و متفکر رہنے لگے ہیں۔

ایک انسان جب اپنے ماحول میں ہر شخص کی مخالفت اور اس کے طعن و طنز کا ہدف بن کر رہ جائے درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اس ماحول ہی کی اصلاح پر مامور ہو تو اس کے غم و الم کا جو حال ہو گا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اس صورت حال سے قدرتاً اس پر خلوت پسندی اور خلق سے بے تکلفی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ اٹھتا ہے تو اپنی چادر لپیٹ کر، چلتا ہے تو اس میں لپٹ کر، بیٹھتا ہے تو اس میں گوشہ گیر ہو کر اور لیٹتا ہے تو اس میں چھپ کر؛ اس لیے کہ تنہا اس کی چادر ہی ہوتی ہے جس کے دامن میں فی الجملہ اس کو اپنے باطن میں غوطہ زن ہونے اور اپنے خالق سے تعلق و توصل کے لیے سکون و اطمینان ملتا ہے۔

اس کا تھوڑا بہت تجربہ تو ہر اس شخص کو ہوتا ہے جو خلق و خالق سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھنے والا ہو لیکن انبیاء علیہم السلام کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ وہ خلق کے لیے سراپا رحمت و شفقت اور اپنے رب کی ڈالی ہوئی ذمہ داریوں کے معاملے میں نہایت حساس ہوتے ہیں۔ وہ اپنی جان توڑ مساعی و اصلاح کے باوجود جب دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی مخاصمت بڑھتی جا رہی ہے تو ان کو گمان گزرتا ہے کہ مبادا اس میں انہی کی کسی کوتاہی کو دخل ہو۔ یہ چیز ان کے غم و فکر کو اور زیادہ بڑھا دیتی ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو مطعون کر کے اپنے دل کو تسلی دینے کے بجائے خود اپنے اندر خلوت گزیں ہو کر صورت حال کا صحیح ڈھونڈھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ذہنی کیفیت میں ان کو اپنی سب سے بڑی غم گسار اپنی چادر ہی محسوس ہوتی ہے جس میں چھپ کر گویا وہ اپنے ماحول سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

چادر میں لپیٹنے والے کو عربی میں ''مزّمّل'' کہتے ہیں۔ اس لفظ سے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اسی فکرمندی کا سراغ دیا ہے۔ یہ نہایت پیار کا خطاب ہے۔ اس دلنواز

خطاب سے مخاطب کر کے آپ کو وہ طریقہ بتایا گیا ہے جو اس غم و الم کو دور کر کے آپ کے اندر وہ قوت و عزیمت پیدا کرے گا جو موجودہ اور آئندہ پیش آنے والے حالات سے عہدہ بر آ ہونے کے لیے ضروری ہے۔ گویا اس سورہ میں حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے آپ کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی وہ نسخہ بھی بتایا گیا ہے جو حوصلہ کو بلند اور کمر ہمت کو مضبوط رکھنے کے لیے نہایت کیمیا اثر ہے۔

۷۴-سورة المدثر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... المزّمّل... کی توام ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ نام بھی دونوں کے بالکل ہم معنی ہیں۔ سابق سورہ میں نبی ﷺ کو جس 'قول ثقیل' کے تحمل کے لیے تیاری کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اس میں اس کا واضح الفاظ میں اظہار کر دیا گیا ہے کہ آپ کمربستہ ہو کر لوگوں کو انذار کریں، مخالفتوں کے علی الرغم اپنے موقف حق پر ڈٹے رہیں۔ دشمنوں کے معاملہ کو اللہ پر چھوڑیں اور اس امر کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں کہ آپ کا فریضہ اس قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو صرف یاددہانی کر دینا ہے، ہر ایک کے دل میں اس کو اتار دینا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس کو قبول وہی کریں گے جو سنت الٰہی کے مطابق اس کے قبول کرنے کے اہل ہوں گے۔ جو اس کے اہل نہیں ہیں وہ اس سے بیزار ہی رہیں گے خواہ ان کی ہدایت کے لیے آپ کتنے ہی جتن کریں۔

۷۵-سورة القيامة

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ بھی، گروپ کی سابق سورتوں کی طرح، انذار قیامت کی سورہ ہے۔ سابق سورہ کا خاتمہ اس مضمون پر ہوا ہے کہ اس یاددہانی سے اعراض کرنے والوں کے اعراض کی اصل وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر نیکی اور بدی کا جو شعور اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمایا ہے یہ سر گشتگان دنیا اس کو ضائع کر بیٹھے ہیں۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جو لوگ اس کو زندہ رکھتے ہیں ان کو مزید ہدایت و روشنی نصیب ہوتی ہے اور جو اس کو ضائع کر بیٹھتے ہیں وہ ایسے اندھے بہرے بن جاتے ہیں کہ ان پر کوئی تذکیر بھی کارگر نہیں ہوتی۔

اس سورہ میں اسی حقیقت کو اچھی طرح مبرہن کر دینے کے لیے نفس لوامہ کی، جو ہر انسان کی فطرت کے اندر ودیعت ہے، اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور اس کو قیامت کے ثبوت میں ایک دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ انسان کے اندر ایک مخفی زاجر کی حیثیت رکھتا ہے جو اس کو، جب وہ کسی بدی کا ارتکاب کرتا ہے، ملامت اور سرزنش کرتا ہے۔ انسان کے اندر اس کا پایا جانا نہایت واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ اس دنیا میں مطلق العنان اور غیر مسؤل بنا کر نہیں چھوڑا گیا کہ چاہے وہ نیکی کرے یا بدی اس کے خالق کو اس سے کچھ بحث نہ ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے اندر اس طرح کے کسی زاجر کو بٹھانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ انسان ایک عالم اصغر ہے اس کے اندر نفس لوامہ کا پایا جانا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس عالم اکبر کے اندر بھی ایک نفس لوامہ ہے جس کو قیامت کہتے ہیں۔ وہ ایک دن ظہور میں آئے گی اور ان تمام لوگوں کو ان کی بداعمالیوں پر سرزنش کرے گی جنھوں نے اپنے اندر کے مخفی زاجر کی تنبیہات کی پروا نہ کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کی عدالت کبریٰ کا ایک عکس ہر انسان کے اپنے وجود کے اندر نفس لوامہ کی عدالت صغریٰ کی شکل میں موجود ہے جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ جو شخص کوئی برائی کرتا ہے وہ کہیں پس پردہ نہیں کرتا بلکہ خدا کی عدالت کے دروازے پر اور اس کے مقرر کیے ہوئے کوتوال کے روبرو کرتا ہے۔ چنانچہ نفس لوامہ کی شہادت پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ 'بَلْ یُرِیْدُ الْاِنسَانُ لِیَفْجُرَ أَمَامَهٗ' (۵) (بلکہ انسان اپنے ضمیر کے روبرو شرارت کرنا چاہتا ہے)۔ اسی حقیقت کی وضاحت آگے

کی آیات میں یوں فرمائی ہے کہ 'بَلِ الْإِنسَانُ عَلَى نَفْسِه بَصِيْرَة. وَلَوْ أَلْقَى مَعَاذِيْرَه'(۱۵-۱۴)
(بلکہ انسان خود اپنے اوپر گواہ ہے اگرچہ وہ کتنے ہی عذرات تراشے)۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ جدید فلسفۂ اخلاق کے ماہروں نے بھی چند بنیادی نیکیوں کا نیکی ہونا اور چند معروف برائیوں کا برائی ہونا بطور اصول موضوعہ تسلیم کر کے اپنی بحث کا آغاز کیا ہے۔ اگرچہ وہ یہ نہیں بتا سکے کہ ان نیکیوں کا نیکی یا ان برائیوں کا برائی ہونا انھوں نے کہاں سے جانا جس کے سبب سے ان کی ساری عمارت بے بنیاد رہ گئی ہے لیکن یہ حقیقت انھیں تسلیم ہے کہ بنیادی نیکیوں اور بنیادی برائیوں کے شعور سے انسان محروم نہیں ہے۔ قرآن نے اس سورہ میں اس حقیقت سے یوں پردہ اٹھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اندر نہ صرف نیکی اور بدی کا شعور ودیعت فرمایا ہے بلکہ اس کے اندر ایک مخفی زاجر (ضمیر) بھی رکھا ہے جو برائیوں کے ارتکاب پر اس کو سرزنش کرتا اور نیکیوں پر اس کو شاباش دیتا ہے اور پھر اسی نفسیاتی حقیقت پر اس نے قیامت اور جزاو سزا کی دلیل قائم کی ہے کہ جس فاطر نے ہر انسان کے نفس کے اندر اس کی بدعملی پر سرزنش اور اس کی نیکی پر تحسین کے لیے یہ اہتمام فرمایا ہے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ اس مجموعی کائنات کے لیے کوئی ایسا دن نہ لائے جس میں اس پوری دنیا کا محاسبہ ہو اور ہر شخص اپنی نیکیوں کا صلہ اور اپنی بدیوں کی سزا پائے۔

۷۶-سورة الدھر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ... القیٰمۃ ... کی توام ہے۔ سابق سورہ جس مضمون پر ختم ہوئی ہے اسی مضمون سے اس کا آغاز ہوا ہے۔ اُسکی آخری چار اور اس کی ابتدائی تین آیتوں پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ دونوں نے ایک حلقۂ اتصال کی شکل اختیار کر لی ہے اور یہ چیز توام سورتوں میں بالعموم نمایاں ہے۔ اس کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

دونوں کا عمود بالکل ایک ہی ہے، البتہ نہج استدلال اور طریق بحث دونوں میں الگ الگ ہے۔ پہلی میں قیامت کی دلیل انسان کے اندر نفس لوامہ کے وجود سے پیش کی گئی ہے اور اس میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر سمع وبصر کی جو صلاحیت ودیعت فرمائی ہے اور اس کو خیر وشر کے درمیان امتیاز کی جو قابلیت بخشی ہے اس کا بدیہی تقاضا ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں ان لوگوں کو داد ملے جنھوں نے ان اعلیٰ صلاحیتوں کا حق پہچانا اور اپنے پروردگار کے شکر گزار رہے اور وہ لوگ اپنے اندھے پن کی سزا بھگتیں جنھوں نے ان کی ناقدری کر کے کفر کی راہ اختیار کی۔ اگر یہ جزا و سزا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک، العیاذ باللہ، شاکر اور کافر دونوں برابر ہیں۔

بعض مصاحف میں اس سورہ کو مدنی ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن پوری سورہ کا مدنی ہونا تو الگ رہا اس کی ایک آیت کے بھی مدنی ہونے کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ کرنے کے لیے اصلی کسوٹی ان کے مطالب و مضامین ہیں۔ آگے مطالب کا تجزیہ بھی آپ کے سامنے آئے گا اور آیات کی تفسیر بھی ان سے واضح ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے اس کو مدنی خیال کیا ہے ان کے خیال کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

۷۷-سورۃ المرسلات

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ اپنے عمود، تمہید اور طرز استدلال کے اعتبار سے چھٹے گروپ کی سورۂ ذاریات سے اور اپنے اسلوب بیان اور مزاج میں سورۂ رحمان سے مشابہ ہے۔ سورۂ ذاریات میں، بطریق قسم، ہواؤں کے عجائب تصرفات سے عذاب اور قیامت پر استدلال کیا گیا ہے اور عمود اس کا 'إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ. وَّإِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ' ہے۔ (جس عذاب کی تمہیں وعید سنائی جارہی ہے وہ سچی ہے اور جزاء و سزا ایک امر شدنی ہے۔) اسی طرح اس سورہ میں بھی ہواؤں کے عجائب تصرفات کی بطور شہادت قسم کھا کر فرمایا ہے کہ 'اِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ' (بے شک جس چیز کی تمہیں وعید سنائی جارہی ہے وہ ایک امر شدنی ہے)۔

مزاج اور اسلوب کلام میں سورۂ رحمان سے اس کی مشابہت یوں ہے کہ جس طرح وہ ترجیع والی سورتوں میں سے ہے، آیت 'فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ' اس میں بار بار آئی ہے، اسی طرح اس سورہ میں آیت 'وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ' (تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔) دس بار آئی ہے۔ ترجیع والی سورتوں کے باب میں، یہ اصولی حقیقت سورۂ رحمان کی تفسیر میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ ان میں خطاب بالعموم ان ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں سے ہے جو ایک واضح حقیقت کو محض مکابرت اور انانیت کی بنا پر، جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے کان اور آنکھیں کھولنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ متکلم صرف اپنے دلائل بیان کر دینے ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ ہر دلیل کے بعد بطور تنبیہ ان کے جرم اور انجام سے ان کو آگاہ بھی کرتا رہے۔ مخاطب کے اس مزاج کی رعایت ملحوظ نہ رکھی جائے تو جس طرح مریض کے مزاج سے ناواقف معالج کی دوا بے اثر رہ جاتی ہے اسی طرح مخاطب کے مزاج سے ناآشنا متکلم کا کلام بھی بے اثر ہو کے رہ جاتا ہے۔ مخاطبوں کے مزاج کا اختلاف ایک امر فطری ہے اس وجہ سے اس کا لحاظ بلاغت کلام کا ایک لازمی تقاضا ہے۔ جو لوگ اس نکتہ سے ناآشنا ہیں وہ قرآن کی اس نوع کی ترجیعات کو تکرار پر محمول کرتے ہیں حالانکہ کلام کے اداشناس جانتے ہیں کہ قرآن میں ہر ترجیع اپنے محل میں انگشتری پر نگینہ کا حسن رکھتی ہے۔

سابق سورہ سے اس کے تعلق کی نوعیت یہ ہے کہ اس میں استدلال کی اصل بنیاد نفس انسانی کی شہادت پر ہے۔ فطرت کے اندر خیر و شر کے درمیان امتیاز کی جو صلاحیت ودیعت ہے اس کی اساس پر جزاو سزا کو ثابت کر کے ایک روز جزا سے ان لوگوں کو ڈرایا گیا ہے جو اس بدیہی حقیقت کو جھٹلائیں اور ان لوگوں کو بشارت دی گئی ہے جو اپنے باطن کی گواہی قبول کریں اور اپنی زندگیاں اس کے تقاضوں کے مطابق سنواریں۔ اس سورہ میں اصل استدلال آفاق کے آثار و شواہد سے ہے۔ کسی انفسی دلیل کا حوالہ ہے تو محض اشارۃً۔ گویا نوعیت استدلال دونوں میں الگ الگ ہے، موضوع کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ مزاج میں یہ فرق بالکل واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ سابق میں بشارت کا پہلو نمایاں ہے اور اس میں انذار کا۔ اس کی سب سے بڑی شہادت اس کی ترجیع سے ملتی ہے۔

۷۸- سورة النبأ

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... المرسلٰت... کی توام سورہ ہے۔ دونون کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ جس طرح اس میں آفاقی، تاریخی اور انفسی دلائل سے یہ حقیقت ثابت کی گئی ہے کہ اس دنیا کے بامقصد و باغایت ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ یہ ایک دن ختم ہو اور اس کے بعد ایک ایسا فیصلہ کا دن آئے جس میں نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا صلہ ملے اور جو مجرم ہوں وہ اپنے کیے کی سزا بھگتیں اسی طرح اس سورہ میں بھی ایک یوم الفصل کا اثبات فرمایا ہے جس میں خدا کے باغی اپنی سرکشی کی سزا بھگتیں گے اور خداترس اپنی خدا ترسی کا انعام پائیں گے۔ استدلال اس میں خدا کی ربوبیت کے آثار و شواہد سے ہے جس سے آسمان وزمین کا چپہ چپہ معمور ہے۔

لب ولہجہ دونوں سورتوں کا بالکل ایک ہی ہے۔ کلام استفہام اقراری کے انداز میں شروع ہوا ہے جو ان مستکبرین و مکذبین کو خطاب کرنے کے لیے مخصوص ہے جو بالکل بدیہی حقائق کو جھٹلانے کے درپے ہوں۔ دلائل کے پہلو بہ پہلو زجر و ملامت اور تہدید و توبیخ ہر آیت میں نمایاں ہے۔ اہل ایمان کے لیے جو بشارت ہے وہ بھی گویا ان مکذبین کی تہدید ہی کے پہلو سے آئی ہے کہ وہ اس کو سامنے رکھ کر اپنے انجام بد کا موانہ کرلیں۔

۷۹-سورة النازعات

سورہ کا عمود

اس سورہ میں بھی قریش کے متمردین کو انذار ہے جو عذاب اور قیامت کو بالکل بعید از امکان، محض ایک دھمکی خیال کرتے تھے۔ ہواؤں اور بادلوں کے عجائب تصرفات شہادت میں پیش کر کے ان کو آگاہ فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو خدا کی پکڑ سے محفوظ نہ سمجھو اور رسول کو جھٹلانے کی جسارت نہ کرو۔ تم اسی وقت تک محفوظ ہو جب تک خدا نے تم کو مہلت دے رکھی ہے۔ جونہی یہ مہلت ختم ہوئی خدا کی پکڑ میں آجاؤ گے اور اس کے لیے خدا کو کوئی اہتمام نہیں کرنا پڑے گا۔ یہی ہوائیں اور یہی بادل جو ہر جگہ موجود اور تمھاری زندگی کے لیے ناگزیر ہیں، قہر الٰہی کی شکل اختیار کر لیں گے اور تمہیں جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔

تمہید اور مطالب کے اعتبار سے یہ سورہ، سورۂ ذاریات اور سورۂ مرسلات سے ملتی جلتی ہوئی ہے۔ دنیا میں خدا کی پکڑ اور اس کی قدرت و ربوبیت کی جو شانیں بالکل نمایاں ہیں وہ اس امر کی نہایت واضح دلیل ہیں کہ ایک ایسا دن لازماً آنے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان سرکشوں کو سزا دے گا جنھوں نے اس کے حکموں سے سرتابی کی اور ان لوگوں کو اپنی ابدی رحمت سے نوازے گا جو اپنے رب کے حضور پیشی سے ڈرتے اور اپنی خواہشوں کو لگام لگاتے رہے۔

۸۰-سورة عبس

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ... النّٰزعٰت ... کے جوڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ اسلوب بیان اور مواد استدلال میں بھی دونوں کے اندر نہایت واضح یکسانی ہے۔ مطالب کی ترتیب میں البتہ تبدیلی ہوئی ہے جس سے ایک نیا حسن اس میں پیدا ہو گیا ہے اور دراصل یہی واحد چیز ہے جو اس سورہ کو سابق سورہ سے ممتاز کرنے والی ہے۔ آپ دونوں کو سامنے رکھ کر آسانی سے ان کے مابہ الاشتراک اور مابہ الاختلاف کو معین کر سکتے ہیں۔

سابق سورہ کے آخر میں نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے یہ جو فرمایا ہے کہ 'إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا' (۴۵) (تم تو بس انہی لوگوں کو قیامت سے ڈرا سکتے ہو جو اس سے ڈرنے والے ہوں) اسی مضمون سے اس سورہ کی تمہید استوار فرمائی ہے اور نبی ﷺ کو بانداز عتاب قریش کے ان متمردین کے پیچھے وقت ضائع کرنے سے روک دیا ہے جو ایمان نہ لانے کے روز روز نئے نئے بہانے تلاش کرتے اور نازک مزاجی میں اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ آپ سے مطالبہ کرتے تھے کہ جب تک آپ اپنے غریب ساتھیوں کو اپنے پاس سے ہٹا نہیں دیں گے اس وقت تک وہ آپ کی مجلس میں بیٹھنے کے روادار نہیں ہوں گے۔ اس پوری سورہ میں انہی متمردین پر نہایت شدت سے عتاب ہے۔ اگرچہ خطاب بظاہر نبی ﷺ سے ہے لیکن عتاب کا رخ تمام تر قریش کے فراعنہ ہی کی طرف ہے۔

۸۱-سورۃ التکویر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

پچھلی دونوں توام سورتوں ... النّٰزعٰت اور عبس... میں جس ہول قیامت سے 'طَآمَّۃ' اور 'صَآخَّۃ' کے ناموں سے ڈرایا گیا ہے اس سورہ میں اسی ہول کی پوری تصویر ہے۔ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں پھر انسان کے قریب و بعید اور اس کے ظاہر و باطن کے ہر گوشہ میں اس ہلچل کے جو اثرات مترتب ہوں گے وہ اس طرح نگاہوں کے سامنے کر دیے گئے ہیں کہ انسان اگر سوچنے سمجھنے والا ہو تو ان آیات کے آئینے میں وہ سب کچھ دیکھ سکتا ہے جو ابھی پس پردہ ہے لیکن ایک دن وہ سب اس کے سامنے آنے والا ہے۔

اس کے بعد قریش کے مکذبین کو مخاطب کر کے آگاہ کیا گیا ہے کہ قرآن اس دن سے جو تمہیں ڈرا رہا ہے تو اس کو ایک حقیقت سمجھو اور اس کے لیے تیاری کرو۔ یہ خدا کا نازل کردہ کلام ہے جو اس نے اپنے سب سے مقرب و معتمد فرشتے کے ذریعہ سے اپنے رسول پر اتارا ہے۔ اگر تم نے اس کو کاہنوں کی کہانت اور شاعروں کی شاعری سمجھ کر رد کر دیا تو یاد رکھو کہ نہ خدا کا کچھ بگاڑو گے نہ رسول کا بلکہ اپنی ہی تباہی کا سامان کرو گے۔ رسول کا کام لوگوں تک اس یاددہانی کو پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد ذمہ داری لوگوں کی اپنی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ اس پر ایمان لانے کی توفیق انہی کو حاصل ہو گی جو حق کے قدردان اور اس کے طالب ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سنت ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

۸۲-سورة الانفطار

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ… التکویر… کی توام ہے۔ دونوں کے ظاہر و باطن اور اسلوب و معنی میں نہایت واضح مشابہت ہے۔ جس طرح سابق میں پہلے اس ہلچل کی تصویر کھینچی گئی ہے جو ظہور قیامت کے وقت آسمانوں اور زمین میں برپا ہو گی اسی طرح اس کا آغاز بھی اسی ہول کے ذکر سے ہوا ہے۔ دونوں میں اصل مدعا بھی تقریباً ایک ہی طرح کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ پہلی سورہ میں ہول قیامت کی تصویر کے بعد فرمایا ہے: 'عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ' (۱۴) (اس دن ہر جان اس چیز کو دیکھ لے گی جو اس نے پیش کی) اسی طرح اس سورہ میں، ٹھیک اسی محل میں، فرمایا کہ 'عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ' (۵) (اس دن ہر جان دیکھ لے گی جو اس نے آگے بڑھایا اور جو پیچھے چھوڑا)۔ سلف سے بھی یہ بات منقول ہوئی ہے کہ جس کو ہول قیامت کی تصویر دیکھنی ہو وہ ان سورتوں میں دیکھے۔ دونوں میں اصل مخاطب وہ اغنیاء و مستکبرین ہیں جو قرآن کے انذار کو اس وجہ سے خاطر میں نہیں لا رہے تھے کہ ان کو اپنے قلعوں اور حصاروں میں دراڑ پڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

البتہ بنائے استدلال دونوں میں الگ الگ ہے۔ پہلی سورہ میں استدلال کی بنیاد قرآن کی صداقت و حقانیت پر رکھی گئی ہے۔ یعنی یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اس کا منبع، اس کے نزول کا واسطہ اور اس کا حامل سب طاہر و مطہر اور نورٌ علیٰ نورٍ ہیں۔ جو لوگ اس کا جوڑ کاہنوں اور منجموں کا اٹکل پچو باتوں سے ملانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ شب دیجور اور صبح صادق کے درمیان امتیاز سے قاصر ہیں۔

اس سورہ میں استدلال خالق کائنات کی صفات خلق، قدرت، حکمت، عدل اور رحمت سے ہے۔ یعنی انسان کی خِلقت کے اندر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت کی جو نشانیاں ظاہر ہیں ان کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک روز جزا و سزا بھی لائے جس میں اپنے نیکوکار و وفادار بندوں کو انعام اور نافرمانوں اور سرکشوں کو سزا دے۔ ایک ایسے دن کا آنا لازمی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کام ذرا بھی دشوار نہیں۔ جب اس نے پہلی بار پیدا کیا اور اس میں اس کو کوئی مشکل نہیں پیش آئی تو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیوں مشکل ہو جائے گا؟ اگر اس

دنیا میں وہ مجرموں کے جرائم سے چشم پوشی کر رہا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ نیکی اور بدی کے معاملے میں بے حس ہے۔ بلکہ یہ محض اس کی کریمی ہے کہ وہ بندوں کو مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنے رویے کی اصلاح کر لیں، اگر چاہیں اور اصلاح نہ کریں تو ان پر اس کی حجت پوری ہو جائے اور قیامت کے دن وہ کوئی عذر نہ کر سکیں۔ اس تاخیر سے کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی قول و عمل مخفی ہے۔ اس نے ہر شخص پر اپنے معزز فرشتے مامور کر رکھے ہیں جو اس کی ہر بات نوٹ کر رہے ہیں۔

۸۳-سورة المطففين

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الانفطار... کا تکملہ و تتمہ ہے۔ دونوں کا عمود بنیادی طور پر ایک ہی ہے۔ سورۂ انفطار کے آخر میں ابرار اور فجار کی جو تقسیم ہے اس سورہ میں اسی کی تفصیل ہے۔ صرف استدلال کی بنیاد دونوں میں الگ الگ ہے۔ سابق سورہ میں استدلال اللہ تعالیٰ کی ان صفات سے ہے جو خود انسان کی خِلقت کے اندر نمایاں ہیں۔ اس سورہ میں استدلال اس فطرت سے ہے جو فاطر نے انسان کے اندر ودیعت فرمائی ہے۔

اس استدلال کی تقریر بالاجمال یوں ہے کہ انسان بالطبع عدل اور خیر کو پسند کرنے والا اور ظلم وشر سے نفرت کرنے والا ہے۔ اس کی یہ پسند اور ناپسند اس بات کی شہادت ہے کہ فاطر فطرت عدل اور ظلم یا بالفاظ دیگر عادل اور ظالم میں فرق و امتیاز کرنے والا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نیک اور بد دونوں اس کے نزدیک یکساں ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ انسان کی فطرت میں نیک اور بد میں یہ امتیاز کیوں رکھتا؟

رہا یہ سوال کہ انسان جب طبعاً نیکی پسند ہے تو وہ بدی کیوں کر گزرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بدی اس وجہ سے نہیں کرتا کہ یہی اس کو طبعاً مرغوب ہے۔ طبعاً تو اس کو مرغوب نیکی ہی ہے لیکن بسا اوقات نفس کے دوسرے داعیات سے وہ مغلوب ہو کر، اپنی فطرت کے خلاف بدی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ اگر بدی اور ناانصافی اس کو طبعاً مرغوب ہوتی تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی اس کے ساتھ ناانصافی کرتا تو وہ اس پر بھی راضی رہتا لیکن ہر شخص دیکھتا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہی شخص جو دوسروں کے لیے ناپ اور تول میں بے ایمانی کرتا ہے جب دوسرے اس کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں تو وہ چیختا اور فریاد کرتا ہے۔

قرآن نے اس سورہ میں انسان کی اسی فطرت کو شہادت میں پیش کر کے یہ تذکیر فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود عادل ہے اور اس نے اپنے بندوں کے اندر بھی عدل اور خیر کی محبت ودیعت فرمائی ہے اس وجہ سے لازمی ہے کہ وہ ایک ایسا دن لائے جس میں ان لوگوں کو بھرپور انعام دے جو اپنی فطرت کے اس نور کی قدر کریں اور ان لوگوں کو سزا دے جو اس کی بے حرمتی کریں۔

قیامت کے حق میں یہ طریق استدلال قرآن نے جگہ جگہ اختیار کیا ہے اور ہم برابر اس کی وضاحت کرتے آرہے ہیں۔ خاص طور پر سورۂ قیامہ میں 'نفس لوامہ' کی قسم اور ' بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ . وَلَوْ أَلْقَى مَعَاذِيرَهُ (بلکہ انسان خود اپنے اوپر حجت ہے اگرچہ وہ کتنے ہی عذرات تراشے) کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

۸۴-سورة الانشقاق

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ اور سابق سورہ... المطففین... میں نہایت واضح معنوی مشابہت موجود ہے۔ جزا و سزا کے منکروں کو جس طرح اس میں متنبہ کیا گیا ہے اسی طرح اس سورہ میں بھی اسی گروہ کو جھنجھوڑا گیا ہے۔ اس میں بیان فرمایا ہے کہ ایک ایسا دن لازماً آنا ہے جس میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ایمان اور عمل کی بنیاد پر الگ الگ گروہوں میں تقسیم کرے گا، جو خدا کے فرماں بردار و نیکوکار ہوں گے وہ ابدی بادشاہی میں داخل ہوں گے اور جو نافرمان و نابکار ہوں گے وہ ابدی ذلت سے دوچار ہوں گے۔ اس سورہ میں بھی لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم ہونا بیان ہوا ہے۔ ایک وہ جن کو ان کے اعمال نامے دہنے ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے اور وہ ابدی کامیابی حاصل کریں گے دوسرے وہ جن کے اعمال نامے ان کے پیچھے ہی سے ان کا بائیں ہاتھ میں پکڑا دیے جائیں گے اور وہ ابدی ذلت سے دوچار ہوں گے۔

دونوں میں اصل مخاطب وہ مترفین و ارباب تنعم ہیں جو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اول تو جزا و سزا کا کوئی دن آنے والا ہے نہیں اور ہے بھی تو ان کو جو عزت و سرفرازی یہاں حاصل ہے وہ وہاں بھی حاصل رہے گی۔ ان کو بتایا گیا ہے کہ انسان کی فطرت عدل کے شعور سے عاری نہیں ہے اور خالق نے یہ دنیا اندھیر نگری نہیں بنائی ہے، اس وجہ سے لازم ہے کہ ایک دن ایسا آئے جس میں نیکوں اور بدوں کے درمیان امتیاز ہو۔ اس دن وہ لوگ ہلاک ہوں گے جو اس بدیہی حقیقت کو پس پشت ڈال کر زندگی گزاریں گے۔

استدلال کی نبیاد سابق سورہ میں، جیسا کہ وضاحت ہو چکی ہے، انسانی فطرت پر ہے اور اس سورہ میں، جیسا کہ آگے وضاحت ہو گی، آفاق کے بعض شواہد پر۔

۸۵-سورۃ البروج

سورہ کازمانۂ نزول اور مضمون

یہ سورہ دعوت کے اس دور میں نازل ہوئی جب کفار قریش اول اول اسلام لانے والوں کو اس غصہ میں ہر قسم کے مظالم کا تختۂ مشق بنائے ہوئے تھے کہ انھوں نے آبائی دین چھوڑ کر یہ نیا دین کیوں اختیار کر لیا؟ ان کو اس میں آگاہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ اس ظلم و ستم سے باز نہ آئے تو بہت جلد خدا کی ایسی سخت پکڑ میں آجائیں گے جس سے کبھی نہ چھوٹ سکیں گے۔ ساتھ ہی مظلوم مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان مظالم سے وہ ہراساں نہ ہوں بلکہ دین حق پر جمے رہیں۔ حالات بظاہر کتنے ہی نامساعد ہوں لیکن جس رب پر وہ ایمان لائے ہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے ارادوں میں کوئی بھی مزاحم نہیں ہو سکتا۔ آخرت میں کفار کو یہ تنبیہ بھی فرما دی گئی ہے کہ اس قرآن کو، جو ان کو اس خطرے سے آگاہ کر رہا ہے، سحر و نجوم اور کہانت و شاعری کے قسم کی کوئی چیز نہ سمجھیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے اور اس کا منبع لوح محفوظ ہے۔ اس کی ہر بات پوری ہو کے رہے گی۔

۸۶-سورة الطارق

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ کی توام ہے۔ دونوں کا عمود بالکل ایک ہے۔ صرف اسلوب بیان اور نہج استدلال الگ الگ ہیں۔ تمہید اور خاتمہ کے پہلو سے بھی دیکھیے تو دونوں میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے۔ آفاق و انفس کے شواہد اور خالق کائنات کی صفات کی روشنی میں یہ حقیقت ان میں مبرہن فرمائی گئی ہے کہ قرآن جس روز جزا و سزا سے ڈرا رہا ہے اس کو ہنسی مسخری نہ سمجھو۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ اس کے ظہور میں جو دیر ہو رہی ہے تو اس کو تکذیب کا بہانہ نہ بناؤ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے ڈھیل ہے کہ اس کی حجت تمام ہو جائے اور تم اپنا پیمانہ اچھی طرح بھر لو۔ خدا کی تدبیر نہایت محکم ہوتی ہے اس وجہ سے وہ سرکشوں کو پکڑنے میں عجلت نہیں کرتا۔ لیکن جب پکڑتا ہے تو کوئی اس کے پنجۂ عذاب سے چھوٹ نہیں سکتا۔

۸۷-سورة الأعلى

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ... الطارق... نبی ﷺ کو تلقین صبر و انتظار پر ختم ہوئی ہے۔ آپ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جو لوگ تمہاری تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے استدراج کے پھندے میں پھنس چکے ہیں، اب ان کے دن گنتی کے ہیں جو وہ پورے کر رہے ہیں۔ ان کو تھوڑی سی مہلت اور دو۔ ان کے طغیان کا انجام ان کے سامنے آیا ہی چاہتا ہے۔ اطمینان رکھو کہ یہ خدا کے قابو سے باہر نہیں جاسکتے۔ وہ ہر طرف سے ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اب اس سورہ میں قریش کے ہٹ دھرموں سے صرف نظر کر کے براہ راست نبی ﷺ سے خطاب فرمایا ہے اور آپ کو یہ بشارت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں ایک ترتیب و تدریج ہے اور یہ ترتیب و تدریج تمام تر اس کی حکمت پر مبنی ہے تو اپنے رب پر بھروسہ رکھو۔ جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ تمہاری سعی بامراد اور اللہ کی نعمت تم پر تمام ہو گی اور راہ کی ساری رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ خطاب کی یہ تبدیلی آگے کی سورتوں میں (کم از کم دس سورتوں تک) نمایاں ہے۔ ان میں مخالفین سے کوئی بات کہی گئی ہے تو ضمناً۔ اصل خطاب نبی ﷺ ہی سے ہے اور مختلف اسلوبوں سے آپ کی وہ تمام الجھنیں دور فرمائی گئی ہیں جو دعوت کے اس مرحلے میں پیش آئیں یا جن کے پیش آنے کا امکان تھا۔

۸۸-سورة الغاشية

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الاعلیٰ... کی مثنیٰ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ جس طرح سابق سورہ میں نبی ﷺ کو تسی دی گئی ہے اسی طرح اس میں بھی آپ کو تسلی دی گئی ہے۔ البتہ انداز خطاب، طریق استدلال اور تفصیل و اجمال کے پہلو سے دونوں میں فرق ہے۔ اس میں پہلے وہ فرق و اختلاف واضح فرمایا گیا ہے جو قیامت کے دن نیکوں اور بدوں، ناعاقبت اندیشوں اور عاقبت بینوں کے نتائج اعمال اور ان کی زندگیوں میں رونما ہو گا اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس کا رونما ہونا اس کائنات کے خالق کی صفات قدرت، ربوبیت اور رحمت کا بدیہی تقاضا ہے۔ پھر آخر میں اس مضمون تسلی کی وضاحت فرما دیا گئی ہے جو سابق سورہ کی آیت: 'فَذَكِّرْ إِن نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى'[۲۴] میں اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ آپ کی ذمہ داری لوگوں تک صرف حق پہنچا دینے کی ہے۔ یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ لوگ اس کو لازماً قبول بھی کر لیں۔ جو ہٹ دھرم اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں ان کے درپے ہونے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجیے۔ وہ ان سے نمٹنے کے لیے کافی ہے۔

۲۴-الأعلیٰ ۸۷:۹

۸۹-سورة الفجر

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ آسمان و زمین کی بعض نمایاں نشانیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اس مضمون پر ختم ہوئی کہ جس خالق نے ان چیزوں کو وجود بخشا اس کی عظیم قدرت و حکمت اور اس کی غیر محدود ربوبیت سے کسی عاقل کے لیے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ مقصود اس سے اس حقیقت کو سامنے لانا ہے کہ جب وہ عظیم قدرت و حکمت رکھنے والا بھی ہے اور اس وسعت کے ساتھ اس نے اپنا خوان کرام بھی بچھا رکھا ہے تو اس کی ان صفات کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ ایک ایسا دن بھی لائے جس میں ان لوگوں سے بازپرس کرے جنھوں نے اس کی نعمتیں پا کر اس کی دنیا میں دھاندلی مچائی اور ان لوگوں کو انعام دے جنھوں نے شکر گزاری اور اطاعت شعاری کی زندگی بسر کی۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ اس کی رحمت و ربوبیت کے بھی منافی ہے اور اس کی قدرت و حکمت کے بھی۔

اس کے بعد نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ تم جس چیز سے لوگوں کو آگاہ کر رہے ہو اس کے دلائل و شواہد آسمان و زمین کے چپہ چپہ پر موجود ہیں۔ اگر ان لوگوں کو نظر نہیں آ رہے ہیں تو تم اپنا فرض انذار ادا کر دو۔ اندھوں کو راہ دکھانا تمہارا کام نہیں ہے۔

اس سورہ میں آفاق اور تاریخ کے بعض نمایاں آثار و واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ ثابت فرمایا ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز کی باگ اس کے خالق و مالک کے ہاتھ میں ہے۔ وہی جس کو جس حد تک چاہتا ہے ڈھیل دیتا ہے اور جہاں چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ مجال نہیں ہے کہ کوئی شے اس کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھ سکے۔ قوموں کے ساتھ بھی اس کا یہی معاملہ ہے۔ ان کو جو ڈھیل ملتی ہے اس کے اذن سے ملتی ہے اور جب ان پر گرفت ہوتی ہے تو اس کے حکم سے ہوتی ہے۔ اس کے ہاتھ ہر وقت قوموں کی نبض پر رہتے ہیں۔ اس دنیا میں ہر ایک کا امتحان ہو رہا ہے کہ وہ نعمت پا کر شکر کی روش اختیار کرتا ہے یا فخر و استکبار کی۔ اسی طرح مشکل حالات میں صبر و ثابت قدمی کا ثبوت دیتا ہے یا مایوسی و دل شکستگی کا۔ پہلی روش ابدی فتح و فیروز مندی کی ضامن ہے اور دوسری دائمی خسران و نامرادی کی۔ اللہ کا مبارک بندہ وہ ہے جو نفس مطمئنہ کے

ساتھ اپنے رب کی طرف لوٹا۔ نہ نعمت پا کر مغرور ہوا اور نہ فقر کی آزمائش سے دل شکستہ۔ انہی کو 'رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً' کی بادشاہی حاصل ہو گی۔

۹۰-سورة البلد

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الفجر... کی توام ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔
سابق سورہ میں انسان کی اس غلط فہمی پر متنبہ فرمایا گیا ہے کہ جب اس کو نعمت ملتی ہے تو وہ یہ خیال کر کے اکڑنے اور اترانے لگتا ہے کہ یہ اس کا حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت افزائی فرمائی ہے اور اگر کوئی آزمائش پیش آجاتی ہے تو مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے کہ یہ اس کی حق تلفی ہوئی ہے اور خدا نے اس کو ذلیل کر دیا ہے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی حالت بھی نہ عزت افزائی کے لیے پیش آتی نہ ذلیل کرنے کے لیے بلکہ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ بندے کے شکر یا صبر کا امتحان کرتا ہے۔ انسان کے لیے صحیح رویہ یہ ہے کہ نہ نعمت پا کر اکڑنے والا بنے نہ اس سے محروم ہو کر دل شکستہ و مایوس ہو بلکہ نعمت ملے تو اپنے رب کا شکر گزار بندہ بنے اور اس نعمت میں اللہ کے دوسرے حاجت مند بندوں کو شریک کرے اور اگر کوئی افتاد پیش آئے تو اپنی محرومی کا رونا رونے اور خدا کو کوسنے کے بجائے فیصلۂ تقدیر پر صابر و راضی رہے۔ جو بندہ یہ روش اختیار کرتا ہے اس کا نفس 'نفس مطمئنہ' ہے اور آخرت میں اس کو 'رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً' کی بادشاہی حاصل ہو گی۔

اس سورہ میں اسی کلیہ کو قریش پر منطبق کیا ہے اور یہ کھایا ہے کہ یہ سرزمین... سرزمین مکہ...
اس زمانے میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں بسایا ہے، رزق کے وسائل سے بھی محروم تھی اور امن سے بھی۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی ذریت کے لیے رزق اور امن کی جو دعا فرمائی اس کی برکت سے یہاں رزق کی بھی فراوانی ہوئی اور امن کے اعتبار سے بھی اس علاقے کا یہ حال ہوا کہ یہاں کسی انسان تو درکنار کسی جانور کو بھی دکھ پہنچانا گناہ ٹھہرا۔ اسی امن اور رزق کا یہ فیض ہے کہ اولاد اسمٰعیل یہاں خوب پھلی پھولی اور اس پورے ملک پر اس کو سیادت و قیادت حاصل ہوئی۔ لیکن یہ نعمتیں پا کر اپنی پچھلی تاریخ یہ لوگ بھول بیٹھے۔
اب یہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ یہ جو کچھ ان کو حاصل ہے ان کا پیدائشی حق ہے۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنا ان کے دلوں پر بہت گراں گزرتا ہے۔ ان کی آنکھیں عبرت نگاہی سے محروم اور زبانیں حق و صبر اور نیکی و

احسان کے ذکر سے گنگ ہو چکی ہیں۔ اب ان کا مال ان کی اپنی عیاشیوں اور فضول خرچیوں کے لیے ہے۔ کوئی نہیں ہے جو یتیموں اور مسکینوں کی خدمت کی راہ میں کوئی قربانی پیش کرنے اور آخرت کی ابدی فائز المرامی حاصل کرنے کا حوصلہ کرے بلکہ سب نے جہنم کی راہ اختیار کر لی ہے۔

یہ سورتیں چونکہ بالکل ابتدائی دور کی ہیں اس وجہ سے ان میں خطاب بھی بالعموم 'یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ' سے ہے اور ان میں جو دعوت یا اپیل ہے وہ بھی تمام تر انسانیت اور اس کے فطری مبادی پر مبنی ہے۔

۹۱-سورۃ الشمس

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مطالب کا تجزیہ

سابق سورہ... البلد... میں قریش کے لیڈروں کو متنبہ فرمایا گیا ہے کہ جب تم اس وادیٔ مکہ میں بسائے گئے اس وقت یہاں زندگی نہایت مشقت کی زندگی تھی۔ یہ ایک بے آب و گیاہ علاقہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور بیت اللہ کی برکت سے یہاں تم کو رزق و فضل کی فراوانی حاصل ہوئی اور تم پھلے پھولے۔ تو یہ نعمتیں پا کر خدا سے اکڑنے والے اور اس کی زمین میں فساد برپا کرنے والے نہ بنو ورنہ یاد رکھو کہ جو خدا یہ سب کچھ دے سکتا ہے وہ جب چاہے اس کو چھین بھی سکتا ہے اور کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔

اس سورہ میں ان کو طغیان و سرکشی کے انجام سے ڈرایا ہے۔ اس کی تمہید یوں استوار فرمائی ہے کہ دیکھتے ہو کہ کائنات بظاہر اضداد کی ایک رزم گاہ ہے لیکن خدائے قادر و قیوم ان اضداد میں سے کسی کو ان کے حدود سے تجاوز نہیں کرنے دیتا جس کا فیض یہ ہے کہ یہ اضداد نہ صرف یہ کہ آپس میں ٹکراتے نہیں بلکہ پوری سازگاری کے ساتھ اس کائنات کی خدمت کرتے ہیں اور ان کی اس سازگاری ہی پر اس کے بقا کا انحصار ہے ورنہ یہ دنیا چشم زدن میں درہم برہم ہو جاتی۔

اس کے بعد نفس انسانی کی تشکیل کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو حال اس عالم اکبر کا ہے وہی حال عالم اصغر یعنی نفس انسانی کا بھی ہے۔ یہ بھی خیر و شر کے متضاد داعیات و محرکات سے مرکب ہے اور خالق نے انسان کی فطرت میں خیر و شر کا امتیاز بھی ودیعت فرمایا ہے اور خیر سے محبت اور شر سے نفرت کا ذوق بھی بخشا ہے۔ اس کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے توازن کو قائم رکھے اور برے داعیات کو خیر کے داعیات پر غلبہ نہ پانے دے ورنہ وہ طغیان و فساد میں مبتلا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ اپنی دنیا میں طغیان و فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اس کو وہ اسی حد تک ڈھیل دیتا ہے جس حد تک وہ اس دنیا کی مصلحت کے مطابق پاتا ہے۔ جب یہ اس حد سے متجاوز ہونے لگتا ہے تو خالق کائنات اس کا سر کچل دیتا ہے اور ان لوگوں سے اپنی دنیا کو پاک کر دیتا ہے جن کا وجود بحیثیت مجموعی اس کے لیے زہرناک بن جاتا ہے۔

آخر میں اپنی اس سنت کے ظہور کی شہادت کے طور پر عرب کی پچھلی قوموں میں سے ایک ایسی قوم کی تباہی کا ذکر فرمایا ہے جس کی شوکت و صولت سے قریش واقف تھے اور جس کے طغیان و فساد کا ذکر

ان کے لٹریچر میں موجود تھا۔ ان کی مثال سے قریش کو عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی ہے اور ڈرایا ہے کہ اگر انہی کی طرح تمہارا مزاج بھی فاسد ہو گیا تو تم بھی خدا کے بے امان عذاب کی زد میں آجاؤ گے اور پھر کوئی تمہاری مدد کے لیے نہیں اٹھے گا۔

۹۲-سورة الليل

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے متعلق

یہ سورہ سابق سورہ... الشمس ... کی مثنیٰ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ ان کے ظاہر اور باطن میں اتنی گہری مشابہت و مماثلت ہے کہ ایک عام آدمی بھی ان کی یکسانی و ہم رنگی کو محسوس کر سکتا ہے۔

سابق سورہ میں نفس انسانی سے متعلق فرمایا ہے: ’ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (٩) وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا‘[۲۵] (فلاح پائی جس نے اس کو پاکیزہ کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو آلودہ کیا) اس سورہ میں اسی بنیادی مسئلہ کو لیا اور بتایا کہ نفس کو کیا چیز آلودہ کرتی اور اس سے اس کو بچانے کی کیا تدبیر ہے اور کیا چیز اس کو پاکیزہ بناتی ہے اور یہ پاکیزگی اس کو کس طرح حاصل ہوتی ہے۔

۲۵-الشمس ۹۱:۹-۱۰

۹۳-سورة الضحی

سورہ کا عمود اور سابق ولاحق سے تعلق

یہ سورہ اور بعد کی سورہ... اَلَم نَشرَح... دونوں توام کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس مشن پر مامور فرمایا ہے اس میں آپ فائز المرام ہوں گے۔ راہ میں جو رکاوٹیں اس وقت نظر آ رہی ہیں وہ سب دور ہو جائیں گی۔ یہ مضمون پچھلی سورتوں میں بھی آیا ہے۔ البتہ دوسرے مطالب کے ضمن میں آیا ہے لیکن ان دونوں کا خاص مضمون ہی یہی ہے۔ ان کے آئینہ میں آپ کی زندگی کے تمام مراحل گویا آپ کے سامنے رکھ دیے گئے ہیں۔ ان میں تسلی کا جو انداز اختیار فرمایا گیا ہے اس پر غور کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ ضحیٰ مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی ہے جب دعوت کی مخالفت اتنی شدت اختیار کر گئی ہے کہ آپ آگے کی راہ مسدود پا کر دل گرفتہ رہنے لگے اور سورہ اَلَم نَشرَح اس دور میں نازل ہوئی ہے جب مخالفت کی شدت کے علی الرغم افق میں کامیابی کے کچھ آثار بھی نمایاں ہونے لگے ہیں۔

۹۴-سورة الشرح

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ کی مثنیٰ ہے۔ سورۂ ضحیٰ کے بعد یہ بغیر کسی تمہید کے اس طرح شروع ہو گئی ہے گویا سابق سورہ میں جو مضمون 'اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی' (الضحیٰ ۹۳:۶) اور اس کے بعد کی آیات میں بیان ہوا ہے اسی کی اس میں تکمیل کر دی گئی ہے۔ بس اتنا فرق نظر آتا ہے کہ سابق سورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن الطاف و عنایات کو نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی تسلی کا ذریعہ بنایا ہے ان کا تعلق بعثت سے قبل یا ابتدائے بعثت کے دور سے ہے اور اس میں جن افضال و احسانات کا حوالہ دیا ہے وہ اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جب آپ کی دعوت کا چرچا مکہ سے نکل کر عرب کے دوسرے گوشوں میں بھی پہنچ چکا ہے۔

سابق سورہ میں آپ کو یہ بشارت دی گئی کہ دعوت کے پہلو سے آپ کا مستقبل آپ کے ماضی اور حاضر سے بہت بہتر ہو گا، آپ اس وقت جن مشکلات سے دوچار ہیں وہ قانون قدرت کے مطابق آپ کی تربیت کے لیے ہیں وہ جلد دور ہو جائیں گی۔ اس سورہ میں اس بشارت کی صداقت کے چند نمایاں شواہد کا حوالہ دے کر تاکید کے ساتھ آپ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں آپ کو جو دشواری بھی پیش آئے گی اس کے پہلو بہ پہلو فیروز مندی بھی ہو گی بشرطیکہ آپ عزم و جزم کے ساتھ اس سے عہدہ بر آ ہونے کا حوصلہ کریں۔

۹۵-سورۃ التین

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مطالب کی ترتیب

اس سورہ کا عمود جزا و سزا کا اثبات ہے۔ اس کی تمہید یوں اٹھائی ہے کہ دنیا میں انبیائے کرام کی بعثت و دعوت کے جو اہم مراکز ہیں پہلے ان کا ذکر بصورت قسم یعنی بطور شہادت کیا اور اس کی روشنی میں یہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین ساخت پر، نہایت اعلیٰ فطرت اور نہایت برتر صلاحیتوں کے ساتھ، پیدا کیا ہے لیکن اس برتری کو قائم رکھنے اور ان اعلیٰ صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے اس نے یہ سنت ٹھہرائی ہے کہ جو لوگ ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کریں گے اور اس راہ کی صعوبتوں کا عزم و حوصلہ کے ساتھ مقابلہ کریں گے تو وہ اپنی اس جدوجہد کا بھرپور صلہ پائیں گے۔ رہے وہ لوگ جو نفس پرستی اور تن آسانی کے باعث اس راہ کے عقبات کو پار کرنے اور اس کی صعوبتوں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو ان کی اختیار کی ہوئی راہ پر جانے کے لیے چھوڑ دے گا اور وہ بالآخر اس کھڈ میں گریں گے جو یہ راہ اختیار کرنے والوں کے لیے مقدر ہے۔

یہاں پچھلی دونوں توام سورتوں میں آیات ' فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى . وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى . فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى '[۲۶] کی تفسیر پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ ان میں بھی ایک دوسرے پہلو سے یہی حقیقت واضح فرمائی گئی ہے جو اس سورہ میں پیش کی گئی ہے۔ اس سے سابق اور لاحق دونوں سورتوں کا تعلق واضح ہو جائے گا۔

آخر میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ بالکل حق و عدل پر مبنی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کی نظر میں نیک و بد دونوں یکساں ہیں حالانکہ یہ بات بالبداہت باطل ہے۔ جس خدا نے لوگوں کو نیکی اور بدی کا شعور دیا ہے لازم ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر نیک اور بد میں امتیاز کرنے والا اور ہر ایک کے ساتھ اس کے استحقاق کے مطابق معاملہ کرنے والا ہو۔

۲۶-الم نشرح ۵:۹۴

آگے سورۂ عصر میں بھی یہی حقیقت ذرا مختلف الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ اس کو بھی سامنے رکھ لیجیے تو اس سورہ کے رخ کو معین کرنے میں آسانی ہو گی۔ فرمایا ہے:

وَالْعَصْرِ .إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ . إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ .[۲۷]

"زمانہ شاہد ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے مگر وہ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کی۔"

۲۷-العصر ۱۰۳:۱-۳

٩٦-سورة العلق

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... التین... کی مثنیٰ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔
سابق سورہ میں تاریخی شواہد اور فطرت انسانی کی اعلیٰ ساخت سے یہ حقیقت نمایاں فرمائی ہے کہ انسان کے لیے فلاح کی راہ یہ ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرے۔ جو لوگ یہ راہ اختیار نہیں کرتے وہ بالآخر تباہی کے کھڈ میں گر کے رہتے ہیں اور اپنے اس انجام کے وہ خود ہی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اسی کلیہ کی روشنی میں اس سورہ میں قریش اور ان کے لیڈروں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ سیدھی راہ اختیار کرنے کے بجائے بالکل الٹی چال چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے فضل و کرم سے ان کی رہنمائی کے لیے اپنا صحیفۂ ہدایت اتارا لیکن ان کے طغیان کا حال یہ ہے کہ اللہ کا جو بندہ ان کے لیے ایمان و عمل صالح کی راہ کھول رہا ہے یہ اس کے جانی دشمن بن کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر وہ اپنے رب کی نماز پڑھتا ہے تو یہ شامت زدہ لوگ اس کے بھی روادار نہیں ہیں بلکہ اس سے بالجبر روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۹۷-سورة القدر

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مطالب کا تجزیہ

قرآن مجید نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے خلق پر جو احسان عظیم فرمایا اور تعلیم بالقلم کا اہتمام کر کے اس کی حفاظت اور خلق کی ہدایت کا جو سامان کیا اس کا ذکر سابق سورہ میں بالاجمال ہوا ہے۔ اب اس سورہ کا موضوع ہی نزول قرآن ہے۔ اس میں خاص اس مبارک رات کی نشان دہی فرمائی گئی ہے جس میں اس کا نزول ہوا اور ساتھ ہی اس رات کی وہ اہمیت و عظمت بیان ہوئی ہے جو دوسری راتوں کے بالمقابل اس کو حاصل ہے۔ اگرچہ یہ باتیں اسرار کائنات سے تعلق رکھنے والی ہیں، جن کی پوری حقیقت دوسرے نہیں سمجھ سکتے، لیکن حقیقت بہر حال حقیقت ہے جس سے اہل علم فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس کے بیان سے مقصود قرآن کے مخاطبوں کو آگاہ کرنا ہے کہ وہ اس کتاب کے معاملے میں جو رویہ اختیار کریں وہ چند باتوں پر پوری سنجیدگی سے غور کر کے اختیار کریں۔

ایک یہ کہ یہ کتاب کسی شخص کی ذاتی امنگ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی اسکیم کے تحت اور خود اپنے اہتمام میں اتاری ہے۔

دوسری یہ کہ اس کی نوعیت کسی ہنگامی اور وقتی واقعہ کی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس رات میں اتارا ہے جو نظام عالم میں اس کے ہاں امور مہمہ کی تقسیم و تنفیذ کے لیے مخصوص ہے۔ یہ ایک ہی رات ہزار راتوں سے بڑھ کر ہے۔ اس میں ابدی قدر و قیمت رکھنے والے امور طے پاتے ہیں۔ اس کی رحمتوں سے جو اپنے کو محروم کر لیتے ہیں وہ پھر کسی اور راہ سے ان کو حاصل نہیں کر سکتے۔

تیسری یہ کہ اس میں کسی شیطانی چھوت کا کوئی ادنیٰ دخل بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات کو کامل سلامتی کی رات بنایا ہے جو شیاطین کی گردش، ان کی مداخلت اور ان کی دراندازیوں سے بالکل مامون ہے۔

۹۸-سورة البينة

سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ... القدر... کی مثنیٰ ہے۔ اس میں قرآن کی عظمت بیان ہوئی ہے اور اس میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین دونوں گٹھ جوڑ کر کے اس وقت قرآن کی تکذیب کے لیے جو اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قرآن کے باب میں انھیں کوئی واقعی شبہ ہے بلکہ اس کا سبب محض ان کا استکبار ہے۔ وہ ظاہر تو یہ کر رہے ہیں کہ اگر ان کو کوئی کھلی ہوئی نشانی دکھا دی جائے تو وہ اس کو مان لیں گے لیکن یہ محض ان کا فریب ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان کو قائل کرنے والا نہیں بن سکتا۔ یہ اس کو دیکھ کر بھی اپنے استکبار پر پردہ ڈالنے کے لیے کوئی بات بنا ہی لیں گے۔ اہل کتاب آج مشرکین کی جو پشت پناہی اور قرآن کی تکذیب کے لیے ان کو جو اعتراضات القاء کر رہے ہیں اگر اپنی تاریخ کے آئینہ میں اپنے کردار کو دیکھیں تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ جس طرح کے معجزے کا مطالبہ وہ آج کر رہے ہیں اسی قسم کے معجزوں کا مطالبہ ان کے پیش رووں نے اپنے زمانے میں اپنے پیغمبروں سے کیا اور وہ ان کو دکھا بھی دیے گئے لیکن سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی انھوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے دین کا تیا پانچا کر کے رکھ دیا۔ ایمان لانے کے لیے اصل چیز اللہ کی خشیت ہے۔ جن کے اندر یہ خشیت موجود ہے وہ اس کتاب پر ایمان لائیں گے۔ رہے وہ جن کے دل پتھر ہو چکے ہیں وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں خواہ ان کو کتنی ہی بڑی نشانی دکھا دی جائے۔

۹۹-سورۃ الزلزلۃ

سورہ کا مضمون اور ترتیب بیان

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ ایک ایسا دن لازماً آنے والا ہے جس دن انسان کی کوئی چیز بھی ڈھکی چھپی نہیں رہ جائے گی بلکہ اس کی ہر نیکی و بدی خواہ اس نے کتنے ہی پردوں کے اندر چھپ کر کی ہو، اس کے سامنے رکھ دی جائے گی اور وہ اس کی جزا یا سزا پائے گا۔ اس دن ہر شخص اپنے اعمال سے متعلق خود جواب دہ ہو گا۔ کوئی دوسرا نہ اس کا حامی و مددگار ہو گا اور نہ کوئی اس کا سفارشی بنے گا۔

اس مدّعا کو واضح کرنے کے لیے پہلے اس ہلچل کی تصویر کھینچی گئی ہے جو قیامت کے دن اس زمین میں برپا ہو گی اور جس کے نتیجے میں وہ سب کچھ باہر آجائے گا جو اس کے اندر مدفون ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے ایماء سے اپنی ساری کہانی کہہ سنائے گی تاکہ انسان پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ اس نے اس کے اندر کہاں کہاں کیا کچھ چھپایا اور کیا کیا کہا اور کیا ہے۔ اس کے بعد ہر ایک اپنی نیکی بھی دیکھے گا، اگر اس نے کوئی نیکی کی ہو گی اگرچہ وہ کتنی ہی حقیر ہو اور وہ برائی بھی دیکھے گا جس کا وہ مرتکب ہوا ہو گا اگرچہ وہ برائی کتنی ہی چھوٹی ہو۔

پچھلی سورتوں کے مطالب اگر ذہن میں محفوظ ہیں تو اس سورہ کے انذار کی اہمیت کا اندازہ کرنے میں کچھ زحمت نہیں ہو گی۔ قیامت کے باب میں منکرین کے بڑے مغالطے تین تھے۔ ایک یہ کہ یہ زمین و آسمان بھلا درہم برہم کس طرح ہو سکتے ہیں؟ دوسرا یہ کہ انسان کے تمام اقوال و افعال کا بھلا کوئی احاطہ کر سکتا ہے کہ ان کا حساب کرنے بیٹھے؟ تیسرا یہ کہ اگر یہ باتیں ممکن بھی فرض کر لی جائیں جب بھی خود ان کے لیے کوئی اندیشہ نہیں ہے، ان کے شرکاء اپنی سفارش سے ان کو ہر آفت سے بچا لیں گے اور ان کو خدا کے ہاں بڑے بڑے درجے دلوائیں گے۔ اس سورہ میں ان کے ان تینوں مغالطوں پر ضرب لگائی گئی ہے۔

۱۰۰- سورة العاديات

سورہ کا مضمون اور ترتیب بیان

اس سورہ میں انسان کے ناشکرے پن پر اس کو تنبیہ اور ملامت ہے۔ اس کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ اس دنیا میں وہ جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے ان وسائل و ذرائع ہی سے حاصل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخشے ہیں لیکن وہ اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ جب سب کچھ خدا کی عنایت سے حاصل ہوا ہے تو اس پر خدا کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کو ادا کرنا بھی واجب ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ خدا کا کوئی حق تسلیم نہیں کرتا بلکہ علانیہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوتیں اور صلاحیتیں خود اسی کے خلاف استعمال کرتا ہے اور اس بات کی ذرا پروا نہیں کرتا کہ ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے جس دن کوئی چیز بھی ڈھکی چھپی نہیں رہ جائے گی بلکہ سینوں کے راز تک بھی اگلوا لیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پورے علم کے ساتھ ہر ایک کا محاسبہ کرے گا اور ہر شخص کو جزا یا سزا دے گا۔

گویا اس سورہ کا اصل مضمون تو وہی ہے جو سابق سورہ... الزلزال... کا ہے لیکن دونوں میں یہ فرق ہے کہ اُس میں اس دن کی تصویر ہے جس دن یہ سب کچھ ہو گا اور اِس سورہ میں اس کی دلیل بیان ہوئی ہے جس کی وضاحت ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

ترتیب بیان اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے تصرف میں جو حیوانات دیے ہیں ان میں سے خاص طور پر جنگی گھوڑوں کی ان جاں فشانیوں، جاں بازیوں اور قربانیوں کا بطریق قسم حوالہ دیا ہے جو وہ اپنے آقا یعنی انسان کی اطاعت و خدمت کی راہ میں کرتے ہیں اور پھر انسان کی ناشکری و ناسپاسی پر اس کو ملامت کی ہے کہ آخر وہ اپنے ان غلاموں اور مملوکوں کی اس وفادارانہ روش سے یہ سبق کیوں نہیں سیکھتا کہ وہ بھی کسی مالک کا مملوک، کسی رب کا مربوب اور کسی آقا کا غلام ہے اور اس پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بھی انہی کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کی بندگی اور اس کے احکام کی اطاعت میں سرگرم رہے۔

آخر میں انسان کے بخل اور اس کی زر پرستی پر ملامت کی ہے کہ وہ پاتا تو سب کچھ خدا سے ہے لیکن وہ اسی سے اپنے مال کو بچانے اور چھپانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ کہاں اور کب تک چھپائے گا! ایک

دن زمین کے سارے دفینے اور دلوں کے سارے راز آشکارا ہو کر رہیں گے! عاقل وہ ہیں جو اس دن کے لیے تیاری کریں۔

۱۰۱-سورة القارعة

سورہ کا مضمون اور ترتیب بیان

اس سورہ میں یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ جس قیامت سے ڈرایا جارہاہے اس وقت اگرچہ کسی کو نہیں معلوم لیکن اس کا آنا یقینی ہے۔ جس طرح کوئی اچانک آکر دروازے پر دستک دیتاہے اسی طرح وہ اچانک آدھمکے گی۔ دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا کھٹکا ہر وقت لگارہے۔ اس دن کسی کے پاس کوئی قوت و جمعیت نہیں ہو گی۔ لوگ قبروں سے اس طرح پراگندہ نکلیں گے جس طرح برسات میں پتنگے نکلتے ہیں۔ ہر ایک پر نفسی نفسی کی حالت طاری ہو گی۔ کوئی بھی کسی دوسرے کی مدد کرسکنے کی پوزیشن میں نہ ہو گا۔ اس دن قلعے، مورچے، حصار تو درکنار پہاڑوں کا حال یہ ہو گا کہ وہ دھنکی ہوئی اون کی مانن ہو جائیں گے۔ اس دن صرف نیک عمل ہی کام آنے والا بنے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی میزان عدل قائم کرے گا۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا ابھاری ہو گا وہ جنت کے عیش جاوداں میں ہو گا اور جس کی بدیوں کا پلڑا ابھاری ہو گا وہ دوزخ کے کھڈ میں بھڑکتی آگ کے اندر پھینک دیا جائے گا۔

۱۰۲-سورة التکاثر

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور ترتیب بیان

یہ سورہ سابق سورہ ... القارعہ... کی مثنٰی ہے۔ دونوں کے مضمون میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ سابق سورہ میں بتایا ہے کہ آخرت میں کام آنے والی چیز وہ نیکیاں ہیں جو اس دنیا میں کر لی جائیں۔ خدا کی میزان میں انہی کے اندر وزن ہو گا۔ جس نے ان کا ذخیرہ جمع کر لیا وہ فلاح پائے گا اور جو ان سے محروم رہا اس نے، خواہ کتنا ہی خزانہ اکٹھا کر لیا ہو، اس کی میزان بالکل بے وزن رہے گی۔ حسرت واندوہ کے سوا اس کے حصہ میں کچھ نہیں آئے گا۔

اب اس سورہ میں ان لوگوں کو متنبہ فرمایا ہے جنھوں نے ساری عمر اس جدوجہد میں کھپا دی کہ مال و دولت کے اعتبار سے وہ دوسروں سے آگے نکل جائیں، ان کا بنک بیلنس سب سے زیادہ ہو جائے، کاروباری میدان میں کوئی ان کا حریف نہ رہے۔ معیار زندگی کی مسابقت میں وہ سب کو پیچھے چھوڑ جائیں۔ بس اسی تگ ودو میں ان کی ساری زندگی ختم ہو گئی اور اس امر پر غور کرنے کی انھیں کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ آگے ایک یقینی مرحلہ حساب کتاب اور جزاو سزا کا بھی آنے والا ہے۔ جس سے بے پروا ہ کر زندگی گزارنے والوں کو جہنم سے سابقہ پیش آئے گا اور اس دن ہر ایک سے یہ پرسش بھی ہونی ہے کہ اس نے دنیا میں جو کچھ حاصل کیا کس راہ سے حاصل کیا اور اس کو کس راہ میں صرف کیا اور اللہ تعالیٰ نے جو قوتیں اور صلاحیتیں اور جو نعمتیں اس کو بخشیں ان کا کتنا حصہ اس نے بخشنے والے کی خوشنودی کے لیے استعمال کیا اور کتنا اپنے نفس اور شیطان کی خوشنودی کے لیے۔

۱۰۳-سورة العصر

سورہ کا مضمون، سابق سورہ سے تعلق اور ترتیب بیان

سابق سورہ... التکاثر... میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی گئی ہے جو ساری عمر اسی دنیا کے مال و متاع جمع کرنے کی فکر میں گنوا بیٹھتے ہیں یہاں تک کہ موت کی گھڑی آ جاتی ہے اور انھیں یہ سوچنے کی فرصت کبھی نہیں ملتی کہ یہ عمر عزیز اللہ تعالیٰ نے انھیں کس مقصد بلند کی خاطر عطا فرمائی اور وہ اس کو کس بوالہوسی و بے حاصلی میں برباد کر بیٹھے۔ اگر وہ جانتے کہ ایک دن تمام نعمتوں کی طرح زندگی کی عظیم نعمت سے متعلق بھی ان سے سوال ہوگا کہ اس کو انھوں نے کس کام میں صرف کیا تو وہ ہرگز یہ حماقت نہ کرتے کہ جس چیز سے وہ ابدی بادشاہی حاصل کر سکتے تھے اس کو دنیا کے خزف ریزے جمع کرنے اور اپنے لیے ابدی لعنت کا سامان کرنے پر قربان کر دیتے۔ اب اس سورہ میں بتایا ہے کہ زندگی کی اصل قدر و قیمت کیا ہے؟ کیا چیز اس کو ابدی فلاح کی ضامن بناتی ہے اور کیا چیز اس کو دائمی خسران میں تبدیل کر دیتی ہے؟ کس طرح انسان اس کو اپنے لیے رحمت بنا سکتا ہے اور کس طرح یہ آپ سے آپ اس کے لیے نقمت اور عذاب بن جاتی ہے اگر وہ اس کو رحمت بنانے کی کوشش نہ کرے۔

اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے اس میں زمانہ کی قَسم بطور شہادت کھائی گئی ہے کہ انسان غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس دنیا میں اصل سرمایہ جو اسے حاصل ہے بس وہ تھوڑا سا وقت ہے جو مہلت حیات کیا اور کوئی نہین جانتا کہ وہ کتنا ہے اور ہے بھی یا نہیں اور ہے تو وہ اپنے ساتھ کیا احوال و مسائل اور کیا تقاضے و مطالبے رکھتا ہے جو وقت آتا ہے وہ اپنے مطالبے اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ انسان حاضر کے فرض کو مستقبل پر ٹال سکے۔

اس اہم حقیقت کی طرف توجہ دلانے کے بعد وہ صحیح طریقہ بتایا جس کو اختیار کرنے والے اپنی مہلت حیات سے صحیح فائدہ اٹھاتے اور اس حیات چند روزہ کے بدلے حیات جاوداں پاتے ہیں۔ اگرچہ یہ طریقہ صرف چند لفظوں میں بتایا گیا ہے لیکن ایسے جامع اور حکیمانہ اسلوب میں بتایا گیا ہے کہ انسان تدبر کرے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں سے متعلق اس پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں جو اسے ادا کرنے ہیں اور جن کے ادا کرنے ہی پر اس کی ابدی فلاح کا انحصار ہے۔

غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ قرآن کا بھی اصل مقصد اسی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنا اور انسان کی شخصی و اجتماعی زندگی کو آخرت کے نصب العین کے تحت منظم کرنا ہے۔ گویا جو بات قرآن کی ایک سو چودہ سورتوں میں سمجھائی گئی ہے وہ اس سورہ کی تین آیتوں میں سمو دی گئی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں اشارہ فرمایا ہے کہ "اگر لوگ تنہا اسی سورہ... العصر... پر غور کریں تو ان کے لیے کفایت کرے۔"

۱۰۴-سورۃ الھمزۃ

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور ترتیب بیان

یہ سورہ سابق سورہ... العصر... کی مثنیٰ ہے۔ دونوں کے مضمون میں نہایت واضح مناسبت، جو باوّل وہلہ سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ سابق سورہ میں فلاح پانے والے انسانوں کا کردار یہ بیان ہوا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو حق و صبر کی تلقین کرتے ہیں اور اس سورہ میں اس کے بالکل ضد کردار یعنی ان بخیلوں کا کردار بیان ہوا ہے جو روپیہ گن گن کر رکھتے ہیں اور لوگوں کو ادائے حقوق پر ابھارنا تو درکنار، کسی کو اگر دیکھ پائیں کہ وہ ادائے حقوق کے معاملے میں عملاً و قولاً سرگرم ہے تو اپنے طعن و طنز اور ہمز و لمز سے اس کا قافیہ تنگ کر دیتے ہیں اور ان کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اس کا حوصلہ اتنا پست کر دیں کہ وہ بھی انہی کی طرح بے حس و بے غیرت بن کر رہ جائے تاکہ اس کی بخالت پر پردہ پڑا رہے اور اس کی دعوت و تلقین سے ان کے ضمیر کو خِفّت و ندامت کی اذیت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

قرآن نے بخیل سرمایہ داروں کے اس کردار کی طرف جگہ جگہ اشارہ کیا ہے۔ مثلاً سورۂ توبہ میں فرمایا ہے:

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ[۲۸] "جو لوگ خوش دلی سے انفاق کرنے والے اہل ایمان پر ان کے صدقات کے باب میں نکتہ چینی کرتے ہیں اور جو غریب اپنی محنت و مزدوری ہی سے انفاق کرتے ہیں تو ان پر پھبتیاں چست کرتے ہیں، اللہ نے ان کا مذاق اڑایا اور ان کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔"

اس آیت کے تحت ہم نے تدبر قرآن میں جو کچھ لکھا ہے اس کا ضروری حصہ ہم یہاں نقل کیے دیتے ہیں تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے:

۲۸- التوبہ ۹:۷۹

''' مُتَطَوِّعٌ' اور 'مُطَّوِّعٌ' دونوں ایک ہی لفظ ہیں۔ 'مُطَّوِّعٌ' اس کو کہتے ہیں جو صرف فرائض وواجبات ہی ادا کر لینے پر قناعت نہ کر بیٹھے بلکہ اپنی خوشی اور حوصلہ مندی سے نفلی نیکیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔''

''' لَمزٌ' کے معنی عیب لگانا، ہجو کرنا، مذمت کرنا۔''

''اوپر کی آیات میں یہ بیان ہوا ہے کہ منافقین نہ صرف یہ کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی خدا کی راہ میں خرچ کرتے دیکھ نہیں سکتے۔ جس کو خرچ کرتے دیکھتے ہیں اس کو فوراً ہمز ولمز کا نشانہ بنالیتے ہیں۔ جو فیاض اور مخلص مسلمان اپنی فیاضی اور خوش دلی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کو تو کہتے ہیں کہ یہ ریاکار اور شہرت پسند ہے، اپنی دین داری کی دھونس جمانے کے لیے خرچ کر رہا ہے۔ اور جو غریب بے چارے کچھ رکھتے ہی نہیں، بس اپنی محنت مزدوری کی گاڑھی کمائی ہی میں سے کچھ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں ان کی حوصلہ شکنی کے لیے یہ ان کا مذاق اڑاتے اور ان پر پھبتیاں چست کرتے ہیں کہلو، آج یہ بھی اٹھے ہیں کہ حاتم کا نام دنیا سے مٹا کے رکھ دیں گے۔''

''بخیلوں اور کنجوسوں کی نفسیات کا یہ پہلو ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ اپنی بخالت پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے ان کی کوشش ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ دوسرے بھی بخیل بنے رہیں۔ نکٹا دوسروں کو بھی نکٹا ہی دیکھنا چاہتا ہے تا کہ اسے کوئی نکٹا کہنے والا باقی نہ رہے۔ یہی نفسیات ان بخیلوں کی بھی تھی۔ پھر اس سے ان کے اسلام دشمنی کے جذبہ کو بھی تسکین ہوتی تھی۔ وہ نہ خود خدا کی راہ میں کوڑی خرچ کرنا چاہتے تھے، نہ اس بات پر راضی تھے کہ کوئی دوسرا خرچ کرے۔ اپنی اس خواہش کے برخلاف جب دوسروں کو دیکھتے کہ وہ اسلام کے لیے اس دریا دلی سے لٹا رہے ہیں گویا اپنے ہی گھر بھر رہے ہیں، یہاں تک کہ مزدور اپنی مزدوری میں سے، بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر، اس خوشی سے دیتا ہے گویا اپنی آدھ سیر کھجور یا جَو کے عوض دولت کونین خرید رہا ہے تو ان بخیلوں کے سینہ پر سانپ لوٹ جاتا۔ وہ غصہ سے کھولتے اور حسد سے جلتے پھر اپنے دل کا بخار طعن وتشنیع، طنز اور پھبتی سے نکالتے۔''[۲۹]

بخیلوں کا یہ کردار ان کی بے بسی کی تصویر ہے۔ بخالت کے سبب سے نہ یہ حوصلہ ان کے اندر ہوتا کہ ادائے حقوق کے میدان میں سبقت کر سکیں اور نہ ادائے حقوق کی دعوت دینے والوں کی زبانیں ہی

۲۹- اصلاحی، تدبر قرآن، ۳:۳-۲۰۲-۲۰۳

بند کر سکتے۔ اپنی مدافعت کی واحد تدبیر ان کے پاس صرف یہ رہ جاتی ہے کہ ان لوگوں کا مذاق اڑائیں اور ان پر پھبتیاں چست کریں جن کی دعوت سے ان کی پردہ دری ہو رہی ہو۔ ان کی یہ کوشش چونکہ اپنے باطن پر پردہ ڈالنے کی تھی اس وجہ سے قرآن نے اس سورہ میں ان کے ظاہر و باطن کے ہر گوشہ کو اچھی طرح بے نقاب کر دیا ہے۔

یہ امر واضح رہے کہ ان سورتوں میں اگرچہ اصلاً زیر بحث بخیلوں کا کردار ہے لیکن یہی کردار ان لوگوں کا بھی ہوتا ہے جو دوسری اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ بھی اپنے سے برتر کردار رکھنے والوں کا مقابلہ ہمیشہ اپنے ہمز و لمز سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قوم لوط کے گنڈوں نے جب دیکھا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی دعوت اصلاح کے مقابل میں ان کے لیے اپنی آبرو بچانا دشوار ہو رہا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ اپنے رویہ کی اصلاح کرتے انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر فقرے چست کرنے شروع کر دیے کہ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُوْنَ[۳۰]

''یہ لوگ بڑے پارسا بنتے ہیں''۔ اور قوم کو ابھارا کہ ان لوگوں کو ملک سے باہر نکالو، ورنہ یہ پوری قوم کو ذلیل کر دیں گے۔

۳۰-النمل ۲۷:۵۶

۱۰۵-سورۃ الفیل

سورہ کا عمود، سابق و لاحق سے تعلق اور ترتیب بیان

'القارعۃ' سے لے کر 'الھمزۃ' تک خاص بات جو قریش پر واضح فرمائی گئی ہے وہ یہی ہے کہ انھوں نے مال اور اولاد کے عشق میں مبتلا ہو کر اللہ اور بندوں کے حقوق تو تمام برباد کر دیے ہیں لیکن یہ زعم رکھتے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے وارث اور ان کے بنائے ہوئے گھر کے متولی ہیں۔ اب اس سورہ اور اس کے بعد کی سورہ ... قریش ... میں، جو اس کی توام ہے، ان کو یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ تمھیں اس سرزمین میں جو امن اور رزق حاصل ہے وہ تمھاری تدبیر و قابلیت اور تمھارے استحقاق کا کرشمہ نہیں بلکہ یہ تمام تر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور ان کے بنائے ہوئے اس گھر کی برکت کا ثمرہ ہے اس وجہ سے تم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس امن و رزق پر نازاں ہونے کے بجائے اس گھر کے خداوند کی بندگی کرو جس نے تمھیں بھوک میں کھلایا اور خطرہ سے نچنت کیا ہے۔ یہ مضمون آگے والی سورہ میں یوں واضح فرمایا گیا ہے: 'فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ (٣) الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ'[۳۱] (پس چاہیے کہ وہ اس گھر کے خداوند کی بندگی کریں جس نے ان کو بھوک میں کھلایا اور خطرے سے نچنت کیا) ان دونوں سورتوں میں بس یہ فرق ہے کہ سورۂ فیل میں ایک نہایت اہم شہادت اس امر کی پیش کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی حفاظت کے لیے اپنی کیا شان دکھائی ہے اور سورۂ قریش میں یہ واضح کیا ہے کہ اس سرزمین کے باشندوں کے لیے رزق و فضل کی جو راہیں کھلی ہیں وہ اسی گھر کے واسطہ سے کھلی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ کی سرزمین میں بسایا ہے اس وقت یہ علاقہ امن اور رزق کے وسائل سے بالکل محروم تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کے لیے دعا کی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کی ذریت کو یہ دونوں چیزیں حرم ہی کے واسطہ سے حاصل ہوئیں لیکن بعد میں لوگ اس حقیقت کو فراموش کر کے اپنی بدمستیوں میں کھو گئے۔ ان کی اس ناشکری پر قرآن نے ان کو جگہ

۳۱-قریش ۱۰۶: ۳-۴

جگہ تنبیہ فرمائی ہے جس کی وضاحت ہم کرتے آرہے ہیں۔اس گروپ کی سورتوں میں سے سورۂ بلد میں بھی اس کے بعض اہم پہلو زیر بحث آئے ہیں، تفصیل مطلوب ہو تو اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

زیر نظر سورہ میں قریش کو ابرہہ کی اس فوج کشی کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس نے بیت اللہ الحرام کو ڈھا دینے کے ناپاک ارادے سے ساٹھ ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ، مکہ پر کی۔ ایک ایسے بھاری لشکر سے، بالخصوص جب کہ اس کا ہراول دستہ ہاتھیوں پر مشتمل ہو، عربوں کے لیے میدان میں نکل کر عہدہ برآ ہونا آسان نہیں تھا اس وجہ سے انھوں نے پہاڑوں میں محفوظ ہو کر سنگ باری کی صورت میں اپنی مدافعت کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ یہ مدافعت ایک کمزور مدافعت تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید غیبی سے ان کی اسی کمزور مدافعت کو ابرہہ کے لشکر گراں کے لیے ایک قہر الٰہی بنا دیا اور وہ اس طرح تباہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا گوشت مکہ کی وادی میں چیلوں، کوّوں اور گِدھوں کو کھلایا۔

۱۰۶-سورة قریش

سورہ کا عمود، سابق ولاحق سے تعلق اور ترتیب بیان

یہ سورہ سابق سورہ... الفیل ... کی توام ہے۔ اس کی تفسیر میں ہم دونوں سورتوں کے عمود کی طرف ایک جامع اشارہ کر چکے ہیں۔ یہاں مختصر الفاظ میں یوں سمجھیے کہ قریش بیت اللہ کے ساتھ جس نوعیت کی وابستگی رکھتے تھے وہ ان پر واضح کر کے اس کے فطری حق کا ان سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

سابقسورہ میں یہ دکھایا ہے کہ اس سرزمین میں ان کو جو امن حاصل ہے وہ اسی گھر کی بدولت حاصل ہے۔ اس سورہ میں یہ دکھایا ہے کہ اس سرزمین میں ان کو رزق کے جو وسائل حاصل ہیں ان کی راہیں بھی اسی گھر کی بدولت کھلی ہیں۔ اس وجہ حق ہے کہ وہ اس گھر کے خداوند کی عبادت کریں، اس کے اس حق میں بلا دلیل دوسروں کو شریک نہ کریں۔

ایک اچھی حکومت سے شہریوں کو جو برکتیں حاصل ہوتی ہیں ان میں سرفہرست یہی دو چیزیں ہیں: امن اور رزق۔ سرزمین مکہ میں یہ دونوں برکتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بدولت قریش کو بیت اللہ ہی کے طفیل حاصل ہوئیں۔ اس کا فطری حق یہی تھا کہ ان کی وابستگی کلیۃً اللہ وحدہٗ لا شریک کے ساتھ ہوتی لیکن قریش نے شرک میں مبتلا ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے گھر میں دوسرے فرضی دیویوں دیوتاؤں کو لا بٹھایا۔ ان کو بتایا جارہا ہے کہ اس گھر کے ساتھ اپنی وابستگی کی نوعیت کو نہ بھولیں۔ یہ گھر انھیں خدا ہی نے امانت میں دیا تھا۔ اسی کی بدولت انھیں امن بھی حاصل ہوا اور اسی کے فیض سے رزق کی راہیں بھی کشادہ ہوئیں۔ اگر انھوں نے اس گھر کے رب کی ناشکری کی تو یاد رکھیں کہ اس گھر کی پاسبانی کا شرف بھی کھو بیٹھیں گے اور ساتھ ہی وہ تمام روحانی ومادی برکتیں بھی جو اس گھر کی بدولت انھیں حاصل ہیں۔

سورہ میں پہلے اس وابستگی کی خاص نوعیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو قریش کو سرزمین مکہ اور بیت اللہ کے ساتھ حاصل ہوئی۔ پھر ان کے ان تجارتی سفروں کے ساتھ ان کی وابستگی کا حوالہ دیا ہے جو سردیوں اور گرمیوں میں بالالتزام وہ کرتے اور جن پر ان کی تمام معاشی آسودگی کا انحصار تھا۔ ان کی معاشی زندگی میں خون کی گردش انھی تجارتی سفروں سے تھی اور ان کی کامیابی کی ضمانت ان کو بیت اللہ کے متولی ہونے کی بدولت حاصل تھی۔ اس

شرف سے محروم ہو کر وہ یہ درجہ نہیں حاصل کر سکتے تھے کہ جو راستے دوسروں کے لیے غیر محفوظ تھے ان میں ان کے تجارتی قافلوں کی حفاظت کے لیے راہ کے قبائل بدرقہ فراہم کریں۔

۱۰۷-سورة الماعون

سورہ کا عمود، سابق ولاحق سے تعلق اور ترتیب بیان

اوپر کی دونوں توام سورتوں ... الفیل اور قریش ... میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ قریش کو رزق و امن کی تمام نعمتیں بیت اللہ کی بدولت حاصل ہوئیں، اس کا حق یہ تھا کہ یہ لوگ اس گھر کے خداوند کی بندگی کرتے اور جس مقصد کے لیے یہ تعمیر ہوا تھا اور ان کی تولیت میں دیا گیا تھا اس کو کامل وفاداری کے ساتھ پورا کرتے۔ اب آگے کی دونوں توام سورتوں ... الماعون اور الکوثر ... میں پہلے تو قریش کے ان لیڈروں کا کردار دکھایا جا رہا ہے جو سورہ کے زمانۂ نزول میں بیت اللہ کے منتظم ہو متولی تھے، پھر یہ بتایا گیا ہے کہ اب یہ لوگ اس بات کے اہل نہیں رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس محترم گھر کے متولی بنے رہیں، انھوں نے اس کے تمام مقاصد برباد کر دیے ہیں اس وجہ سے سزاوار ہیں کہ معزول ہوں اور یہ امانت ان لوگوں کے سپرد کی جائے جو اس کے اہل ہیں۔

سورۂ زیر بحث میں ترتیب بیان اس طرح ہے کہ پہلے قریش کے ایک لیڈر کے کردار کی طرف نہایت تعجب انگیز بلکہ نفرت انگیز انداز میں توجہ دلائی ہے کہ یہ شخص جس شقاوت قلب کے ساتھ یتیموں کو دھکے دیتا ہے وہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ اس کا سینہ جزا و سزا کے عقیدے سے خالی ہے۔ اگرچہ اس کا نام نہیں لیا گیا ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اشارہ ابولہب کی طرف ہے جو سورہ کے زمانۂ نزول میں بیت اللہ کے تمام مالی وسائل پر تنہا قابض و مصرف تھا۔ اس کے بعد ان لوگوں کے کردار پر روشنی ڈالی ہے جو بیت اللہ میں آ کر بظاہر نماز کی رسم تو ادا کرتے لیکن ان کی نماز بالکل بے روح، محض ایک قسم کی ایکٹنگ، ہوتی۔ چنانچہ ان کی خسّت کا یہ حال تھا کہ انفاق تو درکنار روزمرہ ضروریات زندگی کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ان سے کوئی مانگ بیٹھے تو وہ بھی دینے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے۔

یہ امر یہاں واضح رہے کہ بیت اللہ کے بنیادی مقصد دو تھے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ واحد کی عبادت کا مرکز ہو۔ دوسرا یہ کہ وہ فقرا اور یتامی کی ہمدردی و خدمت کا ایک موثر ادارہ ہو۔ اس کے متولیوں کا فریضہ یہ تھا کہ وہ ان دونوں مقاصد کے پورے کرنے کا اہتمام کرتے لیکن جن متولیوں کا کردار بیان ہوا ہے ان سے ان دونوں میں سے کسی مقصد کے پورے ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس وجہ سے آگے کی سورہ میں ان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔
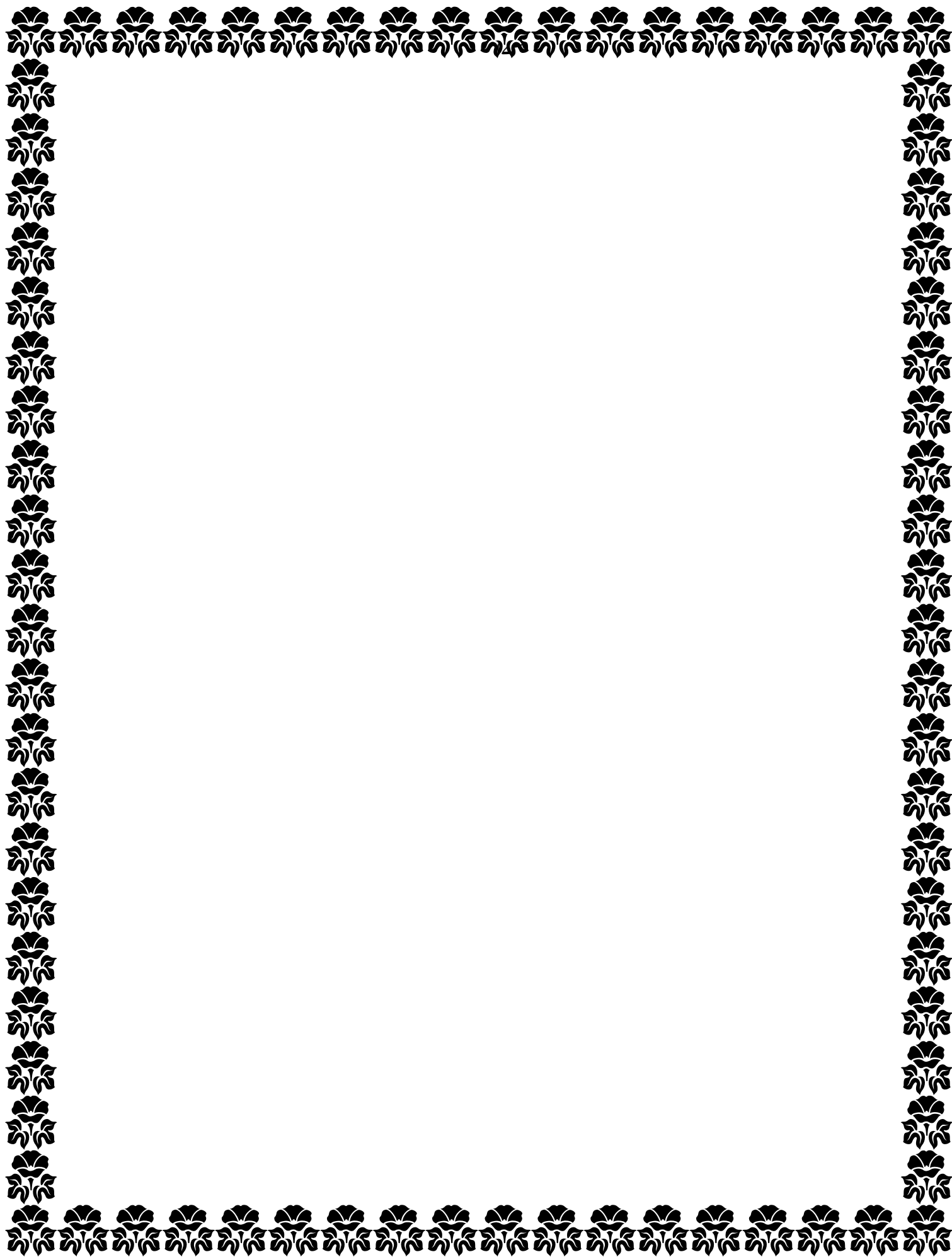
۱۰۸-سورة الکوثر

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور پیغمبر کو بشارت

سابق سورہ... الماعون... میں آپ نے دیکھا کہ قریش کے لیڈروں پر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ بیت اللہ کے جوار میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت کو جس مقصد کے لیے بسایا اور جس کی خاطر ان کے لیے امن اور رزق کی دعا فرمائی وہ مقصد انھوں نے بالکل برباد کر دیا۔ یہ گھر خدائے واحد کی عبادت اور فقراء و یتامیٰ کے حقوق کی حفاظت کے مرکز کی حیثیت سے قائم کیا گیا لیکن اب جو لوگ اس پر قابض ہیں ان کو نہ نماز کی خبر ہے نہ یتیموں اور مسکینوں کے حقوق کا کوئی لحاظ ہے۔ اس بات کے بیان سے مقصود ظاہر ہے کہ قریش کے اس فخر و ناز پر ضرب لگانا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس گھر کا متولی جو سمجھے بیٹھے ہیں اور یہ گمان جو رکھتے ہیں کہ وہ خدا کے منظور نظر ہیں ان کو یہاں سے کوئی ہلا نہیں سکتا، یہ محض ایک زعم باطل ہے۔ لیکن اس سورہ میں صرف فرد قرار داد جرم بیان کر کے بات ختم کر دی۔ یہ نہیں بتایا کہ اس جرم پر یہ لوگ کس سزا کے مستحق ہیں؟ یہ بات مستقلاً سورۂ زیر بحث میں بتائی ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو براہ راست خطاب کر کے بشارت دی ہے کہ اب خیر کثیر کے اس خزانہ یعنی بیت اللہ کو ان خائنوں سے لے کر ہم نے تمھاری تحویل میں دیا تو تم اپنے رب ہی کی نماز پڑھنا اور اسی کے لیے قربانی کرنا، ان مشرکوں کی طرح اس کو شرک سے آلودہ نہ ہونے دینا۔ ساتھ ہی مخالفین کو یہ وعید بھی سنا دی کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جو رحمتیں اور برکتیں حاصل ہوئیں وہ اس گھر کی بدولت ہی حاصل ہوئیں، اس سے منقطع ہو جانے کے بعد وہ تمام برکتوں سے محروم ہو جائیں گے جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہو گا کہ ان کی جڑ ہی کٹ جائے گی۔ ان برکتوں سے اب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نوازے گا جو اس کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور اس کے حقوق ادا کریں گے۔ وہ اس سرزمین میں تمکن و اقتدار حاصل کر کے اس گھر کو اس کے اصل ابراہیمی جمال سے منور کریں گے۔

یہ سورہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، بشارت کی سورہ ہے اور 'اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ' میں حرف تاکید اور صیغۂ ماضی وعدے کی قطعیت کے اظہار کے لیے ہے جس کی مثالیں قرآن میں جگہ جگہ موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو بات طے ہو جاتی ہے اس کو کوئی دوسرا بدل سکنے پر قادر نہیں اس وجہ سے اگرچہ وہ مستقبل کے متعلق ہو لیکن قطعیت کے اظہار کے لیے ماضی کے صیغہ میں کی جاتی ہے بالخصوص بشارت کے مواقع میں۔

مکی زندگی کے آخری دور میں، جب مسلمانوں پر مکہ میں عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا، آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے فتح و غلبہ کی بشارت مختلف سورتوں میں دی گئی ہے۔ یہ بشارت بھی اسی نوعیت کی ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اس بشارت ہی کے سبب سے اس سورہ کو واقعۂ حدیبیہ کے دور سے متعلق مانا ہے، استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، لیکن میرے نزدیک اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ قرب ہجرت کی سورتوں میں مسلمانوں کی تسلی کے لیے اس قسم کی بشارتیں دی گئی ہیں اور وہ ہر گروپ کی آخری مکی سورتوں میں موجود ہیں۔ ان کے حوالے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قریش پر روز اول ہی سے یہ بات واضح تھی کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا جھگڑا یہ ہے کہ ملت ابراہیم پر کون ہے، وہ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم؟ پھر اسی جھگڑے کا لازمی نتیجہ یہ بھی وہ سمجھتے تھے کہ بیت اللہ کی تولیت کا اصلی حق دار وہی ہے جو اصل ملت ابراہیم کا وارث ہے۔ قریش اپنے موروثی پندار کی بنا پر اپنے آپ کو ملت ابراہیمؑ کا وارث اور بیت اللہ کی تولیت کا حق دار سمجھتے تھے اور یہ رعونت ان کے اندر اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ وہ حرم میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نماز پڑھنے کے بھی روادار نہ تھے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے ذہن میں نبی ﷺ کی دعوت سے یہ حقیقت اچھی طرح راسخ ہو چکی تھی کہ بیت اللہ پر قریش کا قبضہ غاصبانہ ہے اور ایک دن اس کو ان کے قبضہ سے آزاد کرانا بعثت محمدی کی اصل غایت ہے۔

یہ بات بھی فریقین پر واضح تھی کہ جو اس گھر سے کٹا وہ ایک شاخ بریدہ ہو کے رہ جائے گا اور اس کی جڑ سارے عرب سے کٹ جائے گی۔ یہ چیز بھی مقتضی تھی کہ ہجرت کے موقع ہی پر نبی ﷺ اور مسلمانوں کو اطمینان دلا دیا جائے کہ بیت اللہ کی خدمت و تولیت کا شرف ان کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ جو کشمکش اس وقت قریش کے ساتھ برپا ہے وہ اللہ کے رسول کے غلبہ پر منتہی ہو گی اور جڑ اللہ کے رسول کی نہیں کٹے گی، جیسا کہ قریش گمان رکھتے ہیں، بلکہ اعدائے رسول کی کٹے گی۔ درحقیقت نصرت الٰہی کی یہی بشارت تھی جس نے مسلمانوں کے لیے ہجرت جیسے کٹھن امتحان کو آسان بنا دیا ورنہ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کوئی آسان بازی نہیں تھی۔

۱۰۹-سورۃ الکافرون

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مدّعا کی ترتیب

اس سورہ میں نبی ﷺ کی طرف سے قریش کے ائمۂ کفر سے براءت کا اعلان ہے پچھلی سورتوں میں بھی تمام تر بحث قریش کے لیڈروں ہی سے رہی ہے لیکن خطاب ان سے قومی اور انسانی بنیاد پر ہوا ہے، کہیں بھی 'یٰٓاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ' کے الفاظ سے ان کو خطاب نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن اس سورہ میں ان کو صاف صاف 'اے کافرو!' کے الفاظ سے مخاطب کر کے ان سے بالکل حتمی طور پر قطع تعلق اور براءت کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ یہ اعلان براءت رسولوں کی اس سنت کے مطابق ہوا ہے جس کی وضاحت پچھلی سورتوں میں ہو چکی ہے کہ اللہ کے رسول اپنی قوم کو پہلے دین کی بنیادی باتوں... توحید اور قیامت... کی دعوت دیتے ہیں۔ اس دعوت میں وہ قوم کو 'اپنی قوم' ہی کی حیثیت سے خطاب کرتے ہیں اور اس پر اس وقت تک پوری استقامت سے جمے رہتے ہیں جب تک قوم کے اعیان و اکابر اپنے رویہ سے ان کو مایوس نہیں کر دیتے۔ جب وہ مایوس کر دیتے ہیں اور بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ہٹ دھرم اپنی ضد سے باز آنے والے نہیں ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور وہ قوم سے اعلان براءت کر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کر جاتا ہے۔ رسول کی ہجرت قوم کے لیے گویا آخری تنبیہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگر اس کے رویہ میں کوئی اچھی تبدیلی نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایک محدود مہلت دینے کے بعد قوم کے تمام مکذبین کو تباہ کر دیتا ہے، خواہ یہ تباہی رسول کی زندگی ہی میں واقع ہو یا اس کے بعد اور خواہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی قہر آسمانی نازل کرے یا رسول کے ساتھیوں کی تلوار اس کے لیے بے نیام ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت محمد ﷺ تک تمام رسولوں کی جو تاریخ قرآن میں بیان ہوئی ہے اس میں یہ مشترک حقیقت موجود ہے اور ہم اس کے تمام پہلوؤں کی وضاحت برابر کرتے آ رہے ہیں۔

یہاں 'یٰٓاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ' سے خطاب، ظاہر ہے کہ، انہی ائمۂ کفر سے ہے جو اس دور میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ ان کی مسلسل مخالفت نے یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ یہ چیز کسی شبہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ موروثی قیادت کا پندار ہے جس نے ان کو بالکل اندھا بہرا دشمن بنا دیا ہے اور اب خدا کے تازیانۂ عذاب کے سوا کوئی اور چیز ان پر کارگر نہیں ہو سکتی۔ مخاطب کی اس ذہنیت کی بنا پر اس سورہ میں جو باتیں فرمائی گئی ہیں وہ بالکل دو ٹوک الفاظ میں فرمائی گئی ہیں اور ہر بات بالکل مبنی بر حقیقت ہے۔ جن لوگوں نے اس خطاب کو مذمت یا غضب پر

محمول کیا ہے ان کی رائے صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی جماعت کا کفر اس وقت تک واضح ہوتا ہی نہیں جب تک اہل حق اس پر اتمام حجت نہ کر دیں۔ اتمام حجت کے بعد ہی اس کا کفر واضح ہوتا ہے اور اس کے بعد ہی یہ بات جائز ہوتی ہے کہ اہل حق اس سے علیحدگی کا اعلان کر دیں بلکہ ضرورت داعی ہو تو اس سے جہاد کریں۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے ہجرت اور جہاد کے لیے اقدام اتمام حجت کے بعد ہی کیا ہے اور یہی حق وعدل کا تقاضا ہے۔

اس سورہ نے قریش کے لیڈروں کے ساتھ دین کے معاملے میں کسی سمجھوتے کے تمام امکانات کا قطعی سدباب کر دیا ہے اس وجہ سے یہ صرف ہجرت ہی کی سورہ نہیں بلکہ یہ معناً اعلان جنگ کی سورہ بھی ہے۔ سورۂ یونس میں وضاحت سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ قریش کے لیڈروں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ اگر ہم سے اپنے دین کو منوانا ہے تو اس کی واحد شکل یہ ہے کہ یا تو اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں ایسی مناسب ترمیم کرو کہ یہ ہمارے لیے قابل قبول ہو سکے: ' ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ' (یونس ۱۰:۱۵) (اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں ترمیم کرو)۔ اس آیت کی تفسیر کے تحت ہم واضح کر چکے ہیں کہ (ملاحظہ ہو تدبر قرآن۔ جلد سوم صفحہ ۸۲) قرآن کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو سب سے زیادہ اصرار قرآن کی دعوت توحید کی ترمیم پر تھا، وہ اس کو اپنے آباء کے عقیدے کے بھی خلاف سمجھتے تھے اور یہ اندیشہ بھی رکھتے تھے کہ اگر اللہ کے سوا انھوں نے تمام معبودوں کو ہی باطل ٹھہرا دیا، جیسا کہ قرآن مطالبہ کر رہا ہے، تو اس سے ان کی سیاسی ہستی ہی سرے سے ختم ہو جائے گی۔ ان کے اس مطالبہ کا جواب نبی ﷺ کی طرف سے یہ دیا گیا کہ ' قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي '[۳۲] (ان سے کہہ دو کہ مجھے کیا حق ہے کہ میں بطور خود اس میں کوئی ترمیم کروں)۔ اگرچہ یہ جواب قریش کے لیے مایوس کن تھا لیکن فیصلہ کن نہیں تھا۔ لیکن اس سورہ میں اس کا ایسا حتمی اور فیصلہ کن جواب دیا گیا ہے کہ ہمیشہ کے لیے اس بحث کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا۔ جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ اس معاملے میں اب کسی سمجھوتے کی گنجائش نہیں ہے، اگر قریش اپنی ضد پر قائم رہے تو بالآخر اس کا فیصلہ تلوار سے ہو گا۔

۳۲- یونس ۱۰:۱۵

ترتیب میں اس سورہ کا سورۂ کوثر کے بعد جگہ پانا بھی اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ سورۂ کوثر میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ فتح مکہ کی بشارت ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ ہجرت اور اعلان جہاد کی سورہ سے پہلے ہی نبی ﷺ کو فتح و نصرت کی بشارت دے دی گئی تا کہ حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اگرچہ آگے ہجرت اور جنگ کے کٹھن مرحلے آنے والے ہیں لیکن انجام ان کا نہایت شان دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے رسول کو فتح سے نوازے گا اور وہ دنیا و آخرت دونوں کے کوثر سے شاد کام ہوں گے۔ اسی طرح کی بشارت حضورؐ کو ہجرت کی اس دعا میں دی گئی ہے جو سورۂ بنی اسرائیل میں مذکور ہے: 'وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ'[۳۳] (اور دعا کرو کہ اے میرے رب، مجھے داخل کر عزت کا داخل کرنا اور نکال عزت کا نکالنا) اس دعا پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کے پیرائے میں آنحضرت ﷺ کو یہ بشارت دے دی ہے کہ اگرچہ آپ کے مکہ سے نکلنے کا وقت اب قریب آرہا ہے لیکن اس نکلنے سے پہلے ہی اللہ نے دارالہجرت میں آپ کے شان دار داخلہ کا انتظام کر لیا ہے۔

مختصر الفاظ میں اس سورہ میں نبی ﷺ کی زبان سے قریش کے لیڈروں کے سامنے یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان دین کے بنیادی مسئلہ... معبود... کے باب میں کوئی قدر مشترک نہ حاضر میں ہے، نہ ماضی میں رہی ہے اور نہ مستقبل میں اب اس کے پائے جانے کا امکان ہے اس وجہ سے ہمارے مابین کسی مفاہمت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اب تم اپنے دین پر چلو، ہم اپنے دین پر چلیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو جائے۔

---

[۳۳]-بني إسرائيل ۱۷:۸۰

۱۱۰-سورة النصر

سورہ کا عمود، سابق سورہ سے تعلق اور مطالب کا خلاصہ

سابق سورہ... الکٰفرون... سے متعلق وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ براءت ہجرت اور معناً اعلان جنگ کی سورہ ہے۔ اب اس سورہ میں نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو بشارت دی گئی ہے کہ وہ وقت قریب ہے کہ آپؐ کے لیے خاص نصرت غیبی ظاہر ہو گی، مکہ فتح ہو گا اور جس مشن پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مامور فرمایا آپ اس سے سرخ روئی کے ساتھ فارغ ہو کر اپنے رب کی خوشنودی و رضامندی سے سرفراز ہوں گے۔ سورۂ فتح کی ابتدائی آیات میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ وہاں ہم نے وضاحت سے اس کے ہر پہلو پر بحث کی ہے۔ تفصیل کے طالب اس پر ایک نظر ڈال لیں۔

ہجرت، جہاد اور فتح و نصرت میں جو گہرا ربط ہے اس کی طرف ہم سابق سورہ... الکٰفرون... میں بھی اشارہ کر چکے ہیں اور اس کتاب کے دوسرے مقامات میں بھی اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ رسولوں کی دعوت میں ہجرت کا مرحلہ ہی وہ مرحلہ ہے جب ان کی قوم پر اللہ کی حجت تمام ہوئی ہے، جب انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ، قوم سے الگ ہو کر، اپنی ایک خاص ہیئت تنظیمی بنائی ہے، جب قوم تمام صالح عناصر سے خالی ہو جانے کے سبب سے بالکل ایک جسد بے روح ہو کر رہ گئی ہے اور اہل ایمان اپنے عقائد و تصورات کی آزاد فضا میں پہنچ کر ایک ایسی ناقابل تسخیر قوت بن گئے ہیں کہ جو ان سے ٹکرایا اس نے شکست کھائی اور جس پر وہ گرے اس کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ رسولوں نے اپنے دشمنوں سے جو جنگ کی ہے وہ ہمیشہ ہجرت کے بعد ہی کی ہے اور اس جنگ میں اگرچہ جماعت کی تربیت کے پہلو سے بعض اوقات آزمائشیں بھی ان کو پیش آئی ہیں لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ان کو وہ فتح حاصل ہوئی ہے جس کو چیلنج کرنے کی جرأت کسی کو نہیں ہوئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی زندگی کے واقعات اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

ہجرت اور فتح و نصرت کے درمیان یہی وہ رشتہ ہے جس کے سبب سے یہ سورہ جو بالاتفاق مدنی ہے، ایک مکی سورہ کی مثنیٰ قرار پائی۔ اس سورہ کے زمانۂ نزول سے متعلق دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ فتح مکہ کے بعد نازل ہونے والی سورتوں میں یہ سب سے آخری سورہ ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ فتح مکہ سے پہلے اس کی بشارت کے طور پر نازل ہوئی ہے۔ میرے نزدیک اسی دوسرے قول کو ترجیح حاصل ہے۔

اس کی اول وجہ یہ ہے کہ قرآن اور نبی ﷺ کے ارشادات سے یہ بات واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت ملت ابراہیمؑ پر ہوئی تھی اور ملت ابراہیمؑ کا اصل مرکز چونکہ بیت اللہ ہی تھا اس وجہ سے اس کو خائنوں کے تسلط سے آزاد اور ملت ابراہیمی کی خصوصیات سے معمور و آباد کرنا آپ کے مشن کا اصلی اور تکمیلی کام تھا۔ چنانچہ 'اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا' (المائدہ:۵:۳) میں اسی کام کو آپ کا تکمیلی کام قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد جو کام ہوئے وہ سب اسی کے توابع و مقتضیات تھے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب میں اصل طاقت قریش ہی کی تھی جو مکہ پر قابض تھے اور بیت اللہ کے متولی ہونے کے سبب سے تمام عرب پر اپنی دھاک جمائے ہوئے تھے۔ ان کی طاقت کو توڑ دینا ہی اصل فتح تھی۔ ان کی طاقت توڑے بغیر کوئی فتح نہ حقیقی معنوں میں فتح ہو سکتی تھی اور نہ ان کی طاقت کے ٹوٹ جانے کے بعد کسی اور کے لیے یہ امکان باقی رہ جاتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی کسی درجہ میں بھی کوئی مزاحمت کر سکے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں جس نصرت اور جس فتح کا ذکر ہے اور وہ جس انداز سے آیا ہے وہ عام نصرت اور فتح نہیں ہے بلکہ یہ اس نصرت اور فتح کا ذکر ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے وعدوں اور سنت الٰہی کے تقاضوں کی روشنی میں ہجرت کے بعد ہر مسلمان کے دل میں رچی بسی ہوئی تھی اور جس کے ظہور کا ہر مسلمان دل سے متمنی تھا۔ یہ وہ نصرت ہے جس کا ذکر سورۂ مجادلہ کی آیت ۲۱ 'کَتَبَ اللّٰہُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي' (اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں غالب رہوں گا اور میرے رسول) میں آیا ہے۔ اور یہ اس فتح و نصرت کا حوالہ ہے جس کا ذکر سورۂ صف آیت ۱۳ میں بدیں الفاظ وارد ہوا ہے: 'وَأُخْرَى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ' (اور ایک اور عظیم فیروز مندی بھی ہے جس کی تم تمنا رکھتے ہو، وہ ہے اللہ کی نصرت اور عنقریب ظہور میں آنے والی فتح) ان آیات میں جس نصرت اور فتح کی طرف اشارہ ہے ظاہر ہے کہ اس کا تعلق فتح مکہ سے ہے اس کے سوا کسی اور فتح و نصرت کو یہاں مراد لینے کی گنجائش نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اس سورہ کا نزول فتح مکہ کے بعد مانا ہے انھیں ایک روایت کے سمجھنے میں غلط فہمی پیش آئی ہے لیکن اس پر نہ یہاں بحث کی گنجائش ہے اور نہ غالباً ہماری ساری بحث غور سے پڑھ لینے کے بعد اس کی کوئی خاص ضرورت ہی باقی رہے گی۔

یہ سورہ اپنے مزاج کے اعتبار سے یکسر بشارت ہے۔ فیصلہ کن نصرت کی بشارت، مکہ کی آزادی کی بشارت، اللہ کے دین میں لوگوں کے جوق در جوق داخل ہونے کی بشارت اور آخرت میں نبی ﷺ کو اپنے مفوّضہ

مشن سے سرخ روئی کے ساتھ فارغ ہونے کی بشارت۔ اس آخری بشارت سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ اب دنیا سے آپؐ کے رخصت ہونے کا وقت قریب آرہا ہے اس وجہ سے آپ کو اپنے رب کی حمد و تسبیح میں مزید اضافہ کر دینا چاہیے تاکہ اس عظیم انعام کا حق بھی ادا ہو جو تکمیل دین کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمایا اور خدائے تواب کی مزید عنایت بھی آپ کو حاصل ہو تاکہ آپ اپنی سعی کا بڑے سے بڑا اجر اپنے رب کے پاس پائیں۔ اسی ٹکڑے سے قرآن کے سب سے بڑے نکتہ دان حضرت ابن عباسؓ نے یہ نکتہ نکالا کہ اس میں حضور ﷺ کی وفات کی خبر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ نکتہ دقیق ہے، جس کے دقیق ہونے کی سب سے بڑی شہادت یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی تحسین و تصویب فرمائی ہے۔ لیکن یہ نکتہ بھی اپنے اندر نبی ﷺ کے لیے ایک بہت بڑی بشارت رکھتا ہے۔

۱۱۱-سورة اللهب

سورہ کا عمود اور سابق ولاحق سے تعلق

اس سورہ کے عمود اور سابق ولاحق سے اس کے تعلق پر استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایسی جامع اور حکیمانہ بحث کی ہے کہ ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے اسی کے بعض اہم اقتباسات پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"سورۂ نصر کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آنحضرت ﷺ کی بعثت فتح مکہ پر تمام کی۔ اسی طرح آپ کے لائے ہوئے صحیفہ کو اس فتح عظیم کے ذکر پر ختم کیا۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ حق اپنے مرکز پر پہنچ گیا۔ خانۂ کعبہ کے مرکز توحید و اسلام اور سرچشمۂ ملت ابراہیمؑ ہونے کے سبب سے فتح مکہ ہی آپ کی بعثت کا گویا آخری اور تکمیلی کام تھا۔ اس کے بعد صرف ثابت قدمی اور استقامت کی ضرورت رہتی تھی جس کے لیے تین سورتیں اس کے بعد لگا دی گئیں۔ سورۂ اخلاص، جو تمام معارف توحید کا خزانہ اور دین کی بنیاد ہے اور سورۂ فلق و سورۂ ناس دعائے استقامت کی تعلیم اور شیاطین جن وانس کی تاخت سے اس خزانہ کی حفاظت کے لیے۔"

اس کے بعد مولانا علیہ الرحمۃ سورۂ نصر، سورۂ اخلاص اور معوّذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) کے اس جھرمٹ میں سورۂ لہب کے رکھے جانے کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں: "اس تمہید سے واضح ہوا کہ یہ تمام سورتیں... سورۂ نصر، سورۂ اخلاص اور معوّذتین... باہم دگر مربوط ہیں اس وجہ سے سورۂ لہب کا ان کے درمیان رکھا جانا بھی لازماً کسی حکمت پر مبنی ہو گا ورنہ یہ پورا سلسلۂ نظم درہم برہم ہو جائے گا۔ چنانچہ غور و فکر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ نصر میں جس فتح و غلبہ کا ذکر ہے سورۂ لہب میں اسی کی وضاحت و بشارت۔ گویا یوں فرمایا گیا کہ اللہ نے اپنے پیغمبرؐ کو غلبہ دیا اور اس کے دشمن کو برباد کیا۔ چنانچہ دوسرے مقام میں یہ بات یوں واضح فرمائی گئی: جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[۳۴]

"حق نمودار ہو گیا اور باطل برباد ہوا۔ بلاشبہ باطل مٹنے ہی کی چیز ہے۔"

۳۴-بني إسرائيل ۸۱:۱۷

اس نظم کی نہایت خوب صورت مثال آنحضرت ﷺ کے اس خطبہ میں بھی ہے جو آپ نے فتح مکہ کے دن، خانہ کعبہ کے دروازے پر دیا۔ آپ نے فرمایا: لا إله إلا الله وحده وصدق وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده. "خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور دشمنوں کی تمام پارٹیوں کو یکہ و تنہا شکست دی۔"

بظاہر تو یہ تین الگ الگ فقرے ہیں لیکن ایک صاحب نظر کے لیے ان تینوں کے اندر علی الترتیب تین سورتوں کے مضمون پنہاں ہیں۔ پہلا فقرہ لا إله إلا الله وحده سورۂ کافرون کے ہم معنی ہے۔ دوسرا فقرہ 'وصدق وعده ونصر عبده' سورۂ نصر کا ہم مضمون ہے۔ تیسرا جملہ 'وهزم الأحزاب وحده' اور سورۂ لہب ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں۔ معلوم ہوا کہ جس طرح یہ تینوں فقرے ایک صاحب نظر کے لیے بالکل مربوط و منظم ہیں اسی طرح جو لوگ ان سورتوں کے مضامین پر غور کریں گے وہ ان سب کو ایک ہی زنجیر کی مربوط کڑیوں کی شکل میں پائیں گے۔"

۱۱۲- سورة الإخلاص

سورہ کا عمود، ترتیب میں اس کا مقام، زمانۂ نزول اور سابق و لاحق سے تعلق

یہ سورہ ان سورتوں میں سے ہے جن کے نام ہی سے ان کے مضمون (عمود) کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا نام 'اخلاص' ہے اور یہ اخلاص ہی اس کا عمود ہے۔ اخلاص کا مطلب اللہ واحد پر اس طرح ایمان لانا ہے کہ اس کی ذات یا صفات یا ان صفات کے لازمی تقاضوں میں کسی پہلو سے کسی دوسرے کی شرکت کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کو ماننے کا تعلق ہے دنیا نے اس کو ہمیشہ مانا ہے۔ یہ چیز انسانی فطرت کا بدیہی تقاضا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شیطان توحید کا ابدی دشمن ہے اس وجہ سے وہ انسان کو فریب دے دے کر اس ماننے میں ایسی ملاوٹیں کرتا رہا ہے کہ ماننا اور نہ ماننا دونوں یکساں ہو کے رہ گیا ہے۔ توحید کی اصل حقیقت کو اجاگر کرتے رہنے ہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے برابر اپنے رسول بھیجے لیکن انسان بار بار اس حقیقت کو پا پا کر کھوتا رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید ہی کی خاطر اپنی قوم سے ہجرت کی اور اپنی اولاد کو ایک وادئ غیر ذی زرع میں بسایا کہ وہ مشرکانہ ماحول سے بالکل محفوظ رہ کر صرف اللہ واحد کی عبادت کرے لیکن پچھلی سورتوں میں آپ نے دیکھا کہ آپ ہی کی ذریت نے آپ ہی کے بنائے ہوئے مرکز توحید (بیت اللہ) کو ایک بت خانے کی شکل میں تبدیل کر دیا اور وہ اپنے خود تراشیدہ بتوں کی عصبیت میں اتنی سخت ہو گئی کہ خدا کے آخری رسول سے وہ اس بات پر لڑتی رہی کہ جب تک ان کے بتوں کا مقام تسلیم نہ کر لیا جائے گا وہ خدا کا حق بھی تسلیم نہیں کرے گی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے جواب میں وہ فیصلہ کن اعلان براءت کرنا پڑا جو سورۂ کافرون میں آپ نے پڑھا۔

یہ اعلان اگرچہ کافی تھا لیکن اس کا تعلق اصلاً قریش اور مشرکین مکہ سے تھا۔ عرب میں اہل کتاب کے بھی مختلف قبائل تھے۔ یہ لوگ اگرچہ حامل کتاب ہونے کے مدعی تھے لیکن شیطان نے ان کو بھی ورغلا کر شرک کی نہایت گھنونی قسموں میں مبتلا کر رکھا تھا۔ مدینہ اور اس کے اطراف میں ان کا خاصا اثر تھا یہاں تک کہ دینی معاملات میں اہل عرب بھی ان کی برتری علانیہ تسلیم کرتے تھے۔

جب تک آنحضرت ﷺ مکہ میں رہے اس وقت تک تو ان کی مخالفت درپردہ رہی لیکن جب آپ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو ان کی مخالفت بھی علانیہ ہو گئی۔ یہ لوگ چونکہ اہل کتاب تھے اس وجہ سے اس پندار میں مبتلا رہے کہ قرآن ان کے عقائد و اعمال کو بہر حال مشرکین کے مقابل میں کچھ اونچا درجہ دے گا لیکن قرآن نے ان پر

واضح کر دیا کہ عقائد ہوں یا اعمال، ہر پہلو سے وہ نہایت گہرے کھڈ میں گر چکے ہیں۔ خاص طور پر نصاریٰ کے شرک پر قرآن نے جو تنقید کی اس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ وہ بھی یہود کی طرح علانیہ میدان مخالفت میں اتر آئے اور مخالفین کے تینوں گروہوں... مشرکین، یہود اور نصاریٰ... نے مل کر ایک متحدہ محاذ، اسلام کے خلاف قائم کر لیا۔ یہ صورت حال مقتضی ہوئی کہ اخلاص کی حقیقت واضح کرنے کے لیے آخری سورہ ایسی جامع ہو کہ وہ شرک کے تمام رخنوں کو یک قلم بند اور مشرکین اور اہل کتاب دونوں پر حجت تمام کر دے۔ چنانچہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اگرچہ ایک گروہ نے اس کو مکی قرار دیا ہے لیکن اس سورہ کی جامعیت، جیسا کہ آگے وضاحت ہو گی، دلیل ہے کہ یہ مکہ میں نہیں بلکہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے جب اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ کی مخالفت بالکل آشکارا ہو گئی ہے۔

قرآن میں اس سورہ کو سورۂ لہب کے بعد جگہ ملی ہے اور ہم پیچھے واضح کر چکے ہیں کہ یہ اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ اب حق کا سب سے بڑا دشمن ختم ہوا اور وقت آگیا کہ اس حقیقی توحید کی منادی اس سرزمین سے پھر بلند ہو جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں حرم تعمیر فرمایا۔ سورۂ لہب سے پہلے سورۂ نصر میں فتح کی بشارت تھی۔ اس کے بعد سورۂ لہب میں اسلام کے سب سے بڑے عدو کی ہلاکت کی خبر ہے۔ پھر اس سورہ... الاخلاص... میں اسلام کے بنیادی پتھر... توحید... کے اس کے اصلی مقام میں نصب کرنے کا اعلان ہے۔ یہ اعلان پیش نظر رکھیے کہ قریش اور اہل کتاب سے نبی ﷺ کی کشمکش ملک و مال کے لیے نہیں تھی بلکہ اس لیے تھی کہ غیر اللہ کی خدائی کے ہر نقش کو مٹا کر اس کی جگہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی خدائی کے نقش کو اس طرح اجاگر کر دیا جائے کہ کسی کے لیے بھی اس میں کسی اشتباہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ چنانچہ اس سورہ میں توحید و اخلاص کا ہر پہلو نمایاں کر دیا گیا اور اس کو قرآن کے سب سے آخر میں جگہ دی گئی۔ اس کے بعد جو دو سورتیں ہیں وہ، جیسا کہ ہم نے پیچھے اشارہ کیا، اسی خزانۂ توحید کے پاسبان کی حیثیت رکھتی ہیں شیطان کی رخنہ اندازیوں سے حفاظت کے لیے وہ اس کے ساتھ لگا دی گئی ہیں۔

قرآن مجید کی ترتیب اس طرح ہے کہ اس میں سب سے پہلے توحید و اخلاص کی سورہ... الفاتحۃ... کو جگہ دی گئی ہے اور پھر سب سے آخر میں بھی توحید و اخلاص ہی کی سورہ... الاخلاص... کو جگہ ملی ہے۔ اس سے اس دین میں توحید کی اہمیت و عظمت ظاہر ہوتی ہے کہ وہی اس میں اول بھی ہے اور آخر بھی۔ سورۂ فاتحہ میں خدا کی شکر گزاری کا حق اس پہلو سے واضح فرمایا گیا ہے کہ وہی 'رب العٰلمین' بھی ہے اور وہی 'مٰالِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ' بھی۔ پھر اس سورہ میں

مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے، اللہ تعالیٰ کی وہ صفات بیان کی گئی ہیں جو ہر اس رخنہ کو بند کر دینے والی ہیں جن سے شرک کوئی راہ پا سکتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ توحید کی تعلیم میں مبادی کی حیثیت رکھتی ہیں اور مقدمہ کتاب میں ہم اس آخری گروپ کی اس خصوصیت پر ایک جامع تبصرہ کر چکے ہیں کہ اس میں ان سورتوں کو جگہ ملی ہے جو دین کی تعلیم میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۱۳- سورة الفلق

سورہ کا مضمون اور سابق ولاحق سے تعلق

سابق سورہ... الاخلاص... کی تمہید میں ہم نے یہ واضح کیا ہے کہ توحید کو دین کی اساس کی حیثیت حاصل ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا آغاز بھی توحید ہی سے فرمایا اور پھر اس کا اتمام بھی اسی پر کیا۔ گویا اصلاً قرآن کی آخری سورۃ الاخلاص ہوئی۔ اس کے بعد دو سورتیں، جو معوّذتین کے نام سے موسوم ہیں، اس خزانۂ توحید کے پاسبان اور محافظ کی حیثیت سے اس کے ساتھ لگادی گئی ہیں جن میں ان تمام آفتوں سے بندوں کو اپنے رب کی پناہ مانگنے کی دعا تلقین فرمائی گئی ہے جو درباب توحید ان کے لیے مزلۂ قدم ہو سکتی ہیں۔

توحید کے لیے اس اہتمام خاص کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ یہی، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، تمام دین کی بنیاد ہے۔ اگر بندے کا قدم توحید میں استوار ہے تو وہ دین پر استوار ہے۔ اگر وقتی طور پر اس سے کوئی لغزش صادر بھی ہو گی تو اساس دین سے وابستہ ہونے کے سبب سے امید ہے کہ اس کو اصلاح کی توفیق ملے اور وہ راہ راست پر آجائے۔ برعکس اس کے ار گر درباب توحید اس کو کوئی گمراہی پیش آگئی تو اندیشہ ہے کہ وہ ہر قدم پر دین سے دور ہی ہوتا جائے گا اور درجہ بدرجہ اتنا دور ہو جائے گا کہ اس کے لیے دین کی طرف بازگشت کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جائے گا۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان جس امتحان میں ڈالا گیا ہے اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مرتے دم تک شیطان کا مقابلہ کرے اور اس کو شکست دے۔ شیطان کے مقابل میں اس کی اسی فتح مندی پر اس کی اُخروی فوز وفلاح کا انحصار ہے۔ شیطان کا خاص داؤ جس پر اس نے انسان کو شکست دینے کی قسم کھار کھی ہے یہی توحید ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو چیلنج دے رکھا ہے کہ وہ انسان کی گھات میں توحید کی راہ پر بیٹھے گا اور اس کو اس راہ سے ہٹا کر شرک کی راہ پر ڈال دے گا۔ سورۂ اعراف میں اس کے اس چیلنج کا ذکر یوں ہوا ہے:

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ . ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ.[۳۵]

۳۵-الاعراف۱۷-۱۶:۷

”شیطان نے کہا، بوجہ اس کے کہ تو نے مجھے گمراہی میں ڈالا، میں بھی ان کی (بنی آدم کی) گھات میں تیری سیدھی راہ (توحید) پر بیٹھوں گا۔ پھر میں ان کے آگے سے، ان کے پیچھے سے، ان کے دہنے سے اور ان کے بائیں سے ان پر تاخت کروں گا۔ پس تو ان سے اکثر کو اپنا شکر گزار (موحّد) نہیں پائے گا۔“

شیطان کے ان ہتھکنڈوں کی تفصیل جو وہ انسان کو شرک کے جال میں پھنسانے کے لیے اختیار کرے گا خود شیطان کی زبان سے سورۂ نساء میں یوں بیان ہوئی ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا . إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا . لَعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا . وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا.[۳۶]

”اللہ اس جرم کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا جو گناہ ہیں ان کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو وہ نہایت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے بھی ہیں تو دیویوں کو، اور پکارتے بھی ہیں تو شیطان سرکش کو۔ اس پر اللہ کی لعنت۔ اور اس نے کہہ رکھا ہے کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ ہتھیا کر رہوں گا۔ ان کو گمراہ کر ڈالوں گا، ان کو آرزوؤں کے جال میں پھنساؤں گا اور ان کو سجھاؤں گا تو وہ چوپایوں کے کان کاٹیں گے اور ان کو سجھاؤں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت کو بدلیں گے اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو کارساز بنائے گا تو وہ نہایت کھلی نامرادی میں پڑا۔“

اس سے بھی زیادہ جامعیت سے یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۶۵-۶۱ میں بھی آیا ہے۔ بہتر ہو گا کہ ان آیات کی تفسیر تدبر قرآن میں پڑھ لیجیے (ملاحظہ ہو **تدبر قرآن**۔ جلد سوم، صفحات ۶۵۷-۶۶۳) تاکہ ان کے مضمرات اچھی طرح آپ کے سامنے آجائیں اور واضح ہو جائے کہ شیطان کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ وہ انسان کو شرک کے کسی پھندے میں پھنسائے تاکہ وہ اس گناہ کا ارتکاب کر کے خدا کی رحمت سے بالکل محروم ہو

۳۶-النساء ۴:۱۱۶-۱۱۹

جائے جس کے لیے مغفرت نہیں ہے۔ شیطان کے دل میں بنی آدم کے خلاف جو حسد و غصہ ہے وہ اسی انتقام سے تسکین پاتا ہے۔

یہ چیز مقتضی ہوئی کہ آخر میں توحید کی جامع تعلیم کے ساتھ ساتھ شیطان کے فتنوں سے محفوظ رہنے کا وہ طریقہ بھی بتا دیا جائے جو سب سے زیادہ کامیاب طریقہ ہے اور جس کو اختیار کر کے اللہ کا ہر بندہ شیطان کے حملوں سے اپنے خزانہ توحید کی حفاظت کر سکتا ہے۔

اسی طریقہ کو واضح کرنے کے لیے آگے کی دونوں سورتوں میں پہلی بات تو یہ بتائی گئی کہ شیطان جیسے شاطر دشمن کے حملوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کا واحد طریق یہ ہے کہ انسان صرف اپنے رب کی پناہ ڈھونڈھے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا اس کی شاطرانہ چالوں اور کیّادیوں سے بچانے والا نہیں ہے۔ اگر انسان اس کے لیے ہر لمحہ چوکنا نہیں رہے گا تو اندیشہ ہے کہ وہ شیطان سے مار کھا جائے اور پھر اس کے لیے اس کے دام سے نکلنا مشکل ہو جائے۔

دوسری چیز یہ بتائی گئی ہے کہ خدا کی وہ کیا صفات ہیں جن کے واسطہ سے بندے کو خدا کی وہ پناہ حاصل ہوتی ہے جو اس کو شیطان کے فتنوں سے بالکل مامون کر دیتی ہے۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ ہی کے بتانے کی تھی اور یہ اس کا اپنے بندوں پر عظیم احسان ہے کہ اس نے ان سورتوں میں اپنی ان صفات سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا صحیح تعلق اس کی اعلیٰ صفات ہی کے ذریعہ سے قائم ہوتا ہے اور یہ اسی کو معلوم ہے کہ اس کے بندے اپنے کسی دشمن سے مقابلہ کے لیے اپنے رب کی کس صفت کو سپر بنائیں۔ یہ چیز ہر شخص نہیں جان سکتا اور اس میں معمولی غلطی بھی انسان کی جدوجہد کو بے اثر بنا سکتی ہے۔

تیسری چیز اس میں یہ بتائی گئی ہے کہ انسان کو گمراہ کرنے کے معاملے میں شیطان کی جدوجہد کی رسائی کہاں تک ہے اور اس کے سب سے زیادہ موثر حربے کیا ہیں۔ اس سے مقصود انسان کو اس کے دشمن کی طاقت کا اندازہ کرا دینا ہے تاکہ وہ اس کی قوت سے نہ مرعوب ہو اور نہ اس سے بے پروا رہے بلکہ وہ اچھی طرح آگاہ رہے کہ دشمن کن راستوں سے اس پر وار کر سکتا ہے اور اس کے مقابلہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود اسے کن طاقت ور اسلحہ سے مسلح کر رکھا ہے۔
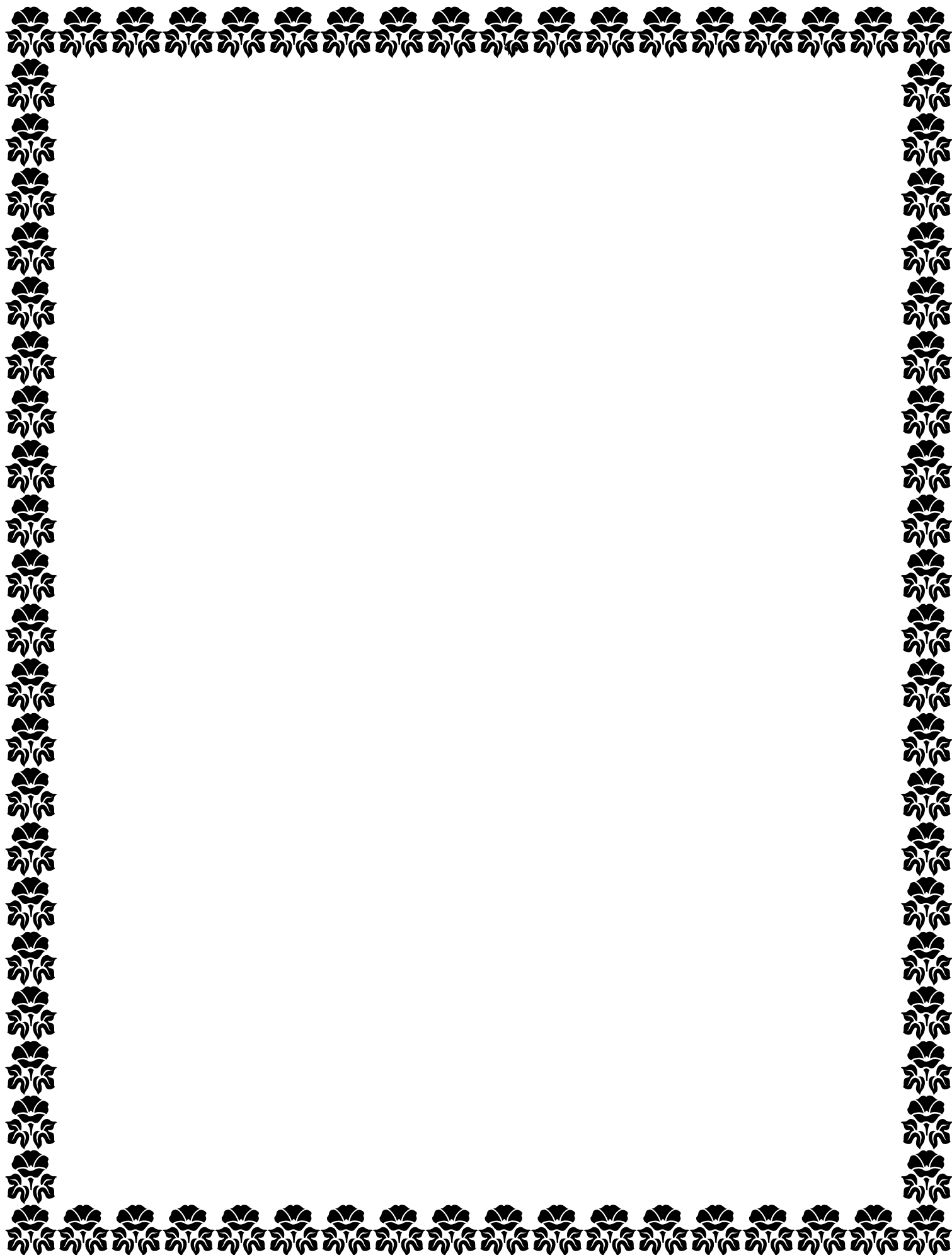
۱۱۴- سورة الناس

سورہ کا عمود، سابق سے تعلق اور اس کے امتیازی پہلو

سابق سورہ... الفلق... کی تمہید میں ہم اس سورہ کے موقع و محل اور اس کے عمود کی طرف بالاجمال اشارہ کر چکے ہیں۔ یہ سورہ اس کی مثنیٰ ہے اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ جس طرح وہ تعوّذ کی سورہ ہے اسی طرح یہ بھی تعوّذ کی سورہ ہے۔ بس چند پہلو اس کے خاص ہیں جن کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے تا کہ اس کا امتیازی وصف سامنے رہے۔

ایک یہ کہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ اس کی ان صفات کے توسّل سے چاہی گئی ہے۔ جن کا تعلق براہ راست انسان سے ہے۔ اس وجہ سے اس کی اپیل نہایت موثر ہے۔ اپیل موثر تو سابق سورہ کی بھی ہے لیکن اس پر استدلال کا پہلو غالب ہے۔ اس میں استدلال کا پہلو اگرچہ موجود ہے لیکن زیادہ نمایاں پہلو اس میں استرحام کا ہے۔

دوسرا یہ کہ سابق سورہ میں کئی آفتوں سے پناہ مانگی گئی ہے لیکن اس میں ساری توجہ صرف شیطان پر مرکوز کر دی گئی ہے جو درحقیقت تمام آفتوں کی جڑ اور توحید کا، جیسا کہ سابق سورہ میں واضح ہو چکا ہے، ازلی دشمن ہے۔

تیسرا یہ کہ سابق سورہ میں شیطان کا حوالہ صرف اس کے ایک معروف کردار... حسد... سے آیا ہے لیکن اس سورہ میں اس کی اصل تکنیک، اس کے دائرۂ نفوذ و اثر، اس کی ذات اور برادری ہر چیز سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے تا کہ لوگ اپنے اس شاطر دشمن کو اچھی طرح پہچان لیں اور جن کمین گاہوں سے وہ حملہ آور ہو سکتا ہے ان سے ہوشیار رہیں۔

اللہ رب العزت کے فضل سے یہ سلسلہ مکمل ہوا۔ دعا ہے کہ وہ اس جمع و تالیف کی کاوش کو اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے اور دلوں میں کتاب اللہ سے تعلق کی محبت پیدا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!!!